ہے۔ اور اس کی شریعت خود خدا کے الفاظ میں مکمل ہو چکی ہے۔ لہٰذا وہ اس کی تشریح دنیائے انسانیت کے سامنے اس طرح پیش کرے کہ وہ اس کو سمجھیں اور قبول کریں اور اس سے فائدہ اٹھائیں۔

حوالہ جات اور حواشی

۱۔ بدرالدین الزرکشی، البرہان فی علوم القرآن، قاہرہ، ۱۳۷۶ھ، ص ۱۸۷، جلال الدین السیوطی، الاتقان فی علوم القرآن، لاہور، ۱۹۸۲ء، ج ۱، ص ۱۲-۲۰

۲۔ الاتقان فی علوم القرآن، ج ۱، ص ۲۰

۳۔ ایضاً، ج ۱، ص ۲۰، البرہان فی علوم القرآن، ج ۱، ص ۱۹۵

۴۔ صبحی صالح، علوم القرآن، مترجم غلام احمد حریری، لاہور، ۱۹۶۶ء، ص ۲۳۹-۲۴۰

۵۔ علوم القرآن، ص ۲۴۰، البرہان فی علوم القرآن، ج ۱، ص ۱۹۲، الاتقان فی علوم القرآن، ج ۱، ص ۱۲-۱۳

۶۔ H. Grimme, Mohammed, ze, Partie, 1895.

۷۔ See Two books of William Muir in this regard. Life of Muhammed published from edinbargh in 1923. The (London 1858-61). Book coran, its composition and teaching, London, 1878.

۸۔ مستشرقین کے اعتراضات کا مفصل جواب دیکھیے محمد عبدالعظیم الزرقانی کی کتاب مناہل العرفان فی علوم القرآن، عیسیٰ البابی الحلبی، ۱۳۷۲ھ، ج ۱، ص ۱۹۸

۹۔ علوم القرآن، ص ۲۵۷

۱۰۔ الاتقان فی علوم القرآن، ج ۱، ص ۲۹

۱۱۔ البرہان فی علوم القرآن، ج ۱، ص ۱۸۹

۱۲۔ ایضاً، ج ۱، ص ۱۸۸

۱۳۔ الاتقان فی علوم القرآن، ج ۱، ص ۲۹

۱۴۔ البرہان فی علوم القرآن، ج ۱، ص ۱۸۸

۱۵۔ مستشرق بہل (Buhl) نے انسائیکلوپیڈیا آف اسلام میں سورۃ العلق کے پہلے وحی ہونے کے بارے میں مقالہ تحریر کیا ہے۔

۱۶۔ علوم القرآن، ص ۲۶۳

آیات حجاب کے چند تفسیری پہلو

ڈاکٹر محفوظ احمد

ایسوسی ایٹ پروفیسر اسلامیات، گورنمنٹ کالج یونیورسٹی فیصل آباد

اللہ تعالیٰ نے اس دنیا کے نظام کو چلانے کے لیے مرد اور عورت کو پیدا کیا۔ انھیں جسمانی لحاظ سے ایک دوسرے سے مختلف بنایا۔ اس تخلیقی فرق کی بنا پر ان کے الگ الگ حقوق و فرائض مقرر کیے گئے۔ قرآن و حدیث میں بعض احکام عمومی بنیادوں اور بعض جنسی بنیادوں پر مشروع کیے گئے۔ خواتین سے متعلق وہ احکام جن میں جنس کی تفریق کو پیش نظر رکھا گیا ہے ان میں ستر کے احکام بھی شامل ہیں۔

امام راغب الاصفہانی (م 502ھ) فرماتے ہیں کہ ستر کا معنی ہے "تغطیۃ الشئی" (۱) یعنی کسی چیز کو چھپانا۔ اصطلاح میں ستر سے مراد انسانی جسم کا وہ حصہ ہے جس کا چھپانا اس کے لیے ضروری ہو۔ مرد کے لیے ستر کی کیا حدود ہیں اس ضمن میں فرمایا گیا۔

"عورۃ الرجل مابین سرتہ الیٰ رکبتہ"

"مرد کے لیے ستر کی حد ناف سے لے کر گھٹنے تک ہے"۔

جب کہ عورت کے ستر کی حدود مختلف ہیں۔

اکثر ائمہ فقہا کے نزدیک غیر محرم مردوں (یعنی وہ لوگ جن سے کسی عورت کا نکاح جائز ہے) سے چہرہ، ہاتھ اور پاؤں کے علاوہ باقی تمام جسم کا چھپانا عورت کے ستر کی حدود ہیں۔ جب کہ محارم (یعنی

اس ضمن میں امام علاؤ الدین کاسانی (م 587ھ) فرماتے ہیں کہ محارم کے لیے عورت کا ستر بالوں، کانوں، بازوؤں، پنڈلیوں، قدموں، سر اور سینہ کے علاوہ باقی جسم ہے۔ (۳)

بعض اہل علم کے نزدیک غیر محرم سے عورت کا اپنا تمام جسم چھپانا واجب ہے اور کوئی چیز عموماً مستثنیٰ نہیں، البتہ اضطراری اور شرعی حوائج میں عورت اپنا چہرہ اور ہاتھ غیر محرم کے سامنے ظاہر کر سکتی ہے جب کہ محارم کے سامنے ان دونوں اعضاء کو عام حالات میں بھی ظاہر کر سکتی ہے۔

قرآن مجید میں عورتوں سے متعلق ستر یا پردہ کے احکام سورۃ الاحزاب کی آیت نمبر 53، 59 اور سورۃ النور کی آیت نمبر 31-30 میں بیان کیے گئے ہیں۔

زیر نظر مقالہ میں احکام ستر کے ارتقائی پس منظر کے حوالے سے سورۃ الاحزاب کی آیت نمبر 53 جسے آیت حجاب بھی کہا جاتا ہے کے چند مختلف تفسیری پہلوؤں کا ذکر کیا جائے گا۔

آیت مذکورہ کے الفاظ یوں ہیں۔

یاایھا الذین امنوا لاتدخلوا بیوت النبی الا ان یؤذن لکم الی طعام غیر نظرین انہ ولکن اذا دعیتم فادخلوا فاذا طعمتم فانتشروا ولا مستانسین لحدیث ان ذلکم کان یؤذی النبی فیستحی منکم واللہ لا یستحی من الحق، واذا سالتموھن متاعاً فسئلوھن من وراء حجاب، ذلکم اطھر لقلوبکم وقلوبھن وما کان لکم ان تؤذوا رسول اللہ ولا ان تنکحوا ازواجہ من بعدہ ابداً، ان ذلکم کان عند اللہ عظیماً۔

ترجمہ: ''اے ایمان والو! نبی ﷺ کے گھروں میں داخل نہ ہو سوائے اس کے کہ تمہیں کھانے کے لیے بلایا جائے۔ کھانا پکنے کا انتظار نہ کرتے رہو بلکہ جب تمہیں بلایا جائے اس وقت جاؤ پھر جب کھانا کھا چکو تو فوراً چلے جاؤ اور (وہاں) باتوں میں دل نہ لگاؤ۔ بے شک تمہارے اس عمل سے نبی (ﷺ) کو تکلیف پہنچتی ہے سو وہ تم سے حیا کرتے ہیں اور اللہ حق بات کہنے سے نہیں رکتا اور جب تم نبی ﷺ کی ازواج سے کوئی چیز مانگو تو پردے کے پیچھے سے مانگو یہ تمہارے دلوں اور ان کے دلوں کے لیے نہایت پاکیزگی کا باعث ہے۔ تمہارے لیے جائز نہیں کہ تم اللہ کے رسول ﷺ کو ایذا پہنچاؤ اور نہ یہ جائز ہے کہ نبی ﷺ کے بعد ان کی ازواج (مطہرات) سے نکاح کرو۔ بے شک اللہ کے نزدیک یہ بہت سنگین بات ہے''۔

اس آیت کے نزول سے قبل چونکہ مسلم خواتین کے لیے ستر سے متعلق کوئی حکم نہیں تھا اس لیے انہیں ستر سے متعلق کسی طرح کی کوئی پابندی نہ تھی۔ لہٰذا اس آیت میں ازواج مطہرات سے متعلق مسلم مردوں کو یہ حکم دیا گیا کہ وہ جب بھی ان سے کوئی چیز طلب کریں تو پردے کی اوٹ میں کریں۔

زمانہ نزول

سورۃ الاحزاب مدنی ہے۔ غزوۂ احزاب ہجرت کے پانچویں سال ماہ ذی القعد میں واقع ہوا۔ اس آیت کا زمانہ نزول ۵ ہجری کا آخر ہے۔ ترتیب نزولی کے لحاظ سے اس سورت کا نمبر 90 ہے اور یہ سورۃ آل عمران کے بعد نازل ہوئی۔ (۴)

پس منظر

اس سورت کی آیت نمبر 28 سے لے کر 34 تک ایک مکمل رکوع (نمبر 4) میں ازواج مطہرات کو مخاطب کر کے ان سے متعلق احکام اور ان کے خصائص کا ذکر کیا گیا۔ ان احکام میں ایک حکم ستر سے متعلق تھا، جسے احکام ستر کا پہلا حکم قرار دیا جا سکتا ہے۔ اس حکم میں فرمایا گیا۔

''وقرن فی بیوتکن ولا تبرجن تبرج الجاھلیۃ الاولیٰ'' (۵)

ترجمہ: ''اور اپنے گھروں میں ٹھہری رہو اور قدیم جاہلیت کی طرح اپنے بناؤ سنگھار کی نمائش نہ کرنا''۔

''قرن'' کا لفظ وقار سے ہے یعنی اپنے گھروں میں سکونت پذیر رہو اور بغیر شرعی ضرورت کے گھروں سے باہر نہ نکلو۔ مفسرین کرام کے نزدیک ''قرن'' میں نیت کا دخل ہے، مطلقاً باہر نکلنے کی ممانعت نہیں۔

''تبرج'' کا لفظ ''بروج'' سے ہے جس کا معنی ہے ''ظہور'' لیکن یہاں تبرج کا معنی ہے کسی عورت کا بغرض زنا یا شہوت پرستی اپنی زینت اور خوبصورتی کا اظہار کرنا۔ عورت کا اپنے جسمانی محاسن مردوں کو دکھانا اور عورتوں کا مٹک مٹک کر چلنا۔

زمانہ جاہلیت میں عورتیں ایسی قمیصیں پہن کر نکلتی تھیں جو دونوں طرف سے ان سلی ہوتی اور ان کا بدن دونوں طرف سے دکھائی دیتا۔ (۶)

اگرچہ ازواج مطہرات ایسا تبرج نہیں کرتی تھیں لیکن پھر بھی انہیں مخاطب کر کے یہ حکم دیا گیا۔

غزوۂ احزاب کے وقت مدینہ منورہ میں مسلمانوں کے علاوہ منافقین بھی کافی تعداد میں موجود تھے۔ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم صدق دل اور خلوص نیت سے اوامر پر عمل کرتے اور نواہی سے خود کو بچاتے لیکن منافقین اگرچہ بظاہر اسلامی احکام پر عمل کرتے لیکن جہاں موقع پاتے اپنے خبث باطن کا اظہار کرتے۔

جیسے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو اگر رسول ﷺ کے وعظ کے دوران کوئی بات سمجھ میں نہ آتی تو وہ عرض کرتے "راعنا" ہمارا لحاظ اور خیال کیجیے بات کو دہرا دیجیے۔ لیکن منافقین اپنے بغض وعناد کی وجہ سے اس موقع پر اس لفظ کو یوں کہتے "راعینا" یعنی ہمارے چرواہے۔

بعد میں اللہ تعالیٰ نے اس لفظ کے استعمال سے مسلمانوں کو ان الفاظ میں منع کیا۔

یایھا الذین امنوا لا تقولوا راعنا و قولوا انظرنا (۷)

ترجمہ: "اے ایمان والو! تم (نبی ﷺ کو) "راعنا" نہ کہا کرو بلکہ "انظرنا" کہو یعنی ہماری طرف دیکھیے"۔

اس طرح آیت حجاب کے نزول کے پس منظر میں بھی منافقین کا ایک شرمناک اور اذیت ناک کردار ہے، جس کی تفصیل یہ ہے۔

اس آیت کے نزول سے قبل غیر مردوں کا دوسروں کے گھروں میں بلا اجازت داخل ہونا ممنوع نہیں تھا۔ اس طرح لوگ ایک دوسرے کے گھروں میں عام داخل ہو جاتے۔

رسول اکرم ﷺ بھی جب کسی موقع پر دعوت کا اہتمام فرماتے تو مدعو لوگوں کے علاوہ بعض غیر مدعو لوگ بھی وہاں پہنچ جاتے۔ اسی طرح کی ایک دعوت ۵ ہجری میں حضرت زینب بنت جحش رضی اللہ عنہا سے نکاح کے بعد رسول اکرم ﷺ نے منعقد کی۔ اس دعوت ولیمہ میں آپ ﷺ نے مسلمانوں کے علاوہ ازراہ تالیف منافقین کو بھی بلا لیا اور بعض منافق بغیر دعوت کے بھی شریک ہو گئے۔

رسول اکرم ﷺ کی نفس کشی سے فائدہ اٹھا کر یہ لوگ بہت دیر بیٹھے رہے اور مزید شرارت یہ کرتے کہ بعض اوقات کوئی چیز مانگنے کے بہانے ازواج مطہرات کے سامنے چلے جاتے اور بھی چیزوں کو لینے کے دوران ان کے ہاتھوں سے مس بھی کرتے۔ ان حرکات کا مقصد حق ہوتا۔ اگرچہ آپ ﷺ ان حرکتوں کو محسوس کرتے لیکن ازراہ مروت چھ نہ کہتے۔ (۸)

بعض لوگوں نے اپنی نیت کا اظہار اس طرح بھی کیا کہ وہ آپ ﷺ کی وفات کے بعد آپ کی ازواج مطہرات سے نکاح بھی کریں گے۔ (۹)

اس پس منظر میں اس سورت کے رکوع نمبر 7 کی آیت نمبر 53 میں عام مسلمان مردوں کو مخاطب کر کے ازواج مطہرات سے متعلق یہ تین خصوصی احکام دیے گئے۔

i۔ نبی ﷺ کے گھروں میں ان کی اجازت کے بغیر داخل نہ ہونا۔

ii۔ آپ ﷺ کی ازواج مطہرات سے حجاب کی اوٹ سے چیزیں مانگنا۔

iii۔ رسول اللہ ﷺ کے وصال کے بعد ازواج مطہرات سے کبھی نکاح نہ کرنا۔

اس آیت میں دیے گئے یہ تینوں احکام ازواج مطہرات کے لیے خاص تھے لیکن بعض اہل علم نے ان میں سے دوسرے حکم کو عام مسلمان خواتین کے لیے بھی لازم اور واجب قرار دیا جو کہ حقیقت پر مبنی نہیں۔

اس آیت میں دیا گیا پہلا حکم بھی رسول اللہ ﷺ کے گھروں کے لیے خاص تھا، جبکہ مسلمانوں کو دیگر مسلمانوں کے گھروں میں بلا اجازت داخل نہ ہونے کا حکم الگ نوعیت سے اس طرح دیا گیا۔

"یا یھا الذین امنوا لا تدخلوا بیوتا غیر بیوتکم حتی تستانسوا و تسلموا علی اھلھا ذلکم خیر لکم لعلکم تذکرون ○ فان لم تجدوا فیھا احدا فلا تدخلوھا حتی یؤذن لکم وان قیل لکم ارجعوا فارجعوا ھو ازکی لکم واللہ بما تعملون علیم" (۱۰)

ترجمہ: "اے ایمان والو! اپنے گھروں کے سوا اور گھروں میں داخل نہ ہو جب تک اجازت نہ لے لو اور وہاں کے رہنے والوں کو سلام نہ کر لو۔ یہی تمہارے لیے بہتر ہے تا کہ تم نصیحت حاصل کرو، اگر وہاں تمہیں کوئی بھی نہ مل سکے تو پھر اجازت لیے بغیر اندر نہ جاؤ اور اگر تم سے لوٹ جانے کو کہا جائے تو تم لوٹ جاؤ، یہی بات تمہارے لیے پاکیزہ ہے۔ جو کچھ تم کر رہے ہو اللہ تعالیٰ خوب جانتا ہے"۔

یہ ہے وہ پس منظر جس میں سورۃ الاحزاب کی یہ آیت حجاب نازل ہوئی۔

شان نزول

اس آیت کے شان نزول کے حوالے سے مفسرین کرام نے یہ مختلف روایات نقل کی ہیں۔

۱۔ حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے حضرت زینب بنت جحش رضی اللہ عنہا سے عقد نکاح کے بعد ایک دعوت ولیمہ کا انعقاد کیا، جس میں تقریباً تین سو کے قریب مسلمان مدعو تھے۔ کھانا کھانے کے بعد یہ لوگ وہیں بیٹھے رہے اور باتیں کرنے لگے پھر آپ ﷺ اٹھے اور باقی لوگ بھی اٹھ گئے لیکن تین شخص وہیں بیٹھے رہے۔ آپ ﷺ اپنے حجرے میں داخل ہونے کے لیے آئے لیکن وہ لوگ نہ اٹھے پھر وہ اٹھ کر چلے گئے۔ اس وقت اللہ تعالیٰ نے یہ آیت مبارکہ نازل فرمائی۔ (۱۱)

۲۔ امام ابن جریر طبری (م 310ھ) فرماتے ہیں کہ ایک دعوت میں کسی مرد کا ہاتھ (گھر کی کوئی چیز لیتے وقت) حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کے ہاتھ سے چھو گیا، جسے رسول اللہ ﷺ نے ناپسند فرمایا تو پھر یہ آیت مقدسہ نازل ہوئی۔ (۱۲)

۳۔ حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے ازواج مطہرات کو حجاب کے بارے میں کہا تو حضرت زینب رضی اللہ عنہا نے کہا ہمارے گھروں میں وحی نازل ہوتی ہے۔ اس پر یہ آیت کریمہ نازل ہوئی۔ (۱۳)

ان آیات کے پس منظر اور شان نزول کی ان روایات اور آیات کے الفاظ سے یہ ظاہر ہوتا ہے۔

i۔ آیت کا ظاہری حکم رسول اللہ ﷺ کی گھریلو زندگی اور رازداری کو قائم رکھنے کے لیے دیا گیا۔

ii۔ حجاب کا حکم ازواج مطہرات کے لیے خاص تھا۔

iii۔ ازواج مطہرات کے لیے حجاب کا حکم فرض تھا جب کہ عام خواتین کے لیے حجاب کی حیثیت استحباب کی ہوگی۔

iv۔ علماء نے اپنی علمی بصیرت کی بناء پر عام مسلم خواتین کو اس حکم میں شامل کیا۔

رسول اکرم ﷺ کی گھریلو زندگی اور رازداری کو قائم رکھنے کے لیے حجاب کا حکم دیا گیا کہ اس وقت آپ کے حجروں کے باہر کوئی دروازہ یا پردہ نہیں تھا۔ چنانچہ عبدالرحمٰن کیلانی نے لکھا ہے۔

اس حکم کے نزول کے بعد ازواج مطہرات نے اپنے حجروں کے دروازوں پر پردے لٹکا دیے۔ (۱۴)

ازواج مطہرات کے یہ حجرات مسجد نبوی ﷺ کے ساتھ متصل تھے۔ ان مکانات میں سے پانچ کھجور کی شاخوں سے بنے تھے جن پر کہگل (لپائی) کی ہوئی تھی۔ ان کے ساتھ کوئی حجرہ نہ تھا۔ دروازوں پر کمبل کا پردہ پڑا رہتا تھا۔ باقی چار مکان کچی اینٹوں کے تھے جن کی چھت پر کھجور کی شاخوں کی کہگل کی ہوئی تھی۔ ان میں سے ہر ایک کے ساتھ ایک ایک حجرہ کھجور کی شاخوں کا تھا جس کے دروازوں پر کمبل کا پردہ تھا۔ اندرونی کمروں کی چھت کے بارے امام حسن بصری رضی اللہ عنہ کا بیان ہے کہ میں حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ کے عہد میں مراہق (قریب البلوغ) تھا، ان مکانات کی چھت کو اپنے ہاتھ سے چھو لیتا تھا۔ (۱۵)

یہ ہیں ازواج مطہرات کے وہ مبارک حجرات جن کے پس منظر میں آیت حجاب کا نزول شروع ہوا۔ کاش ہم ان حجرات اور ان حجرات کے پس منظر میں نازل ہونے والے حجاب کے حکم کو دیکھیں تا کہ حکم حجاب کی علت و حکمت ہمیں سمجھ میں آئے۔

کیا حجاب کا یہ حکم ازواج مطہرات کے لیے خاص تھا یا دیگر مسلم خواتین بھی اس حکم میں شامل ہیں۔ اس حوالے سے علماء کی دو آراء ہیں۔ ایک رائے کے مطابق یہ حکم ازواج مطہرات کے لیے خاص نہیں تھا۔ چنانچہ مولوی نذیر حسین (م 1900ء) نے لکھا ہے۔

"گو وہ آیت نبی ﷺ کی بیویوں کے حق میں نازل ہوئی لیکن پردہ کا حکم تمام مسلمان عورتوں کے لیے ہے اور اس کی مخالفت موجب فسق و بے حیائی ہے"۔ (۱۶)

مفتی محمد شفیعؒ (م 1976ء) فرماتے ہیں۔

"آیت مذکورہ میں اسلامی معاشرت کے چند آداب و احکام کا بیان ہے جس کا تعلق سابقہ آیات سے ہے۔ جو آداب ان آیات میں تلقین کیے گئے وہ ابتدا آنحضرت ﷺ کے مکان اور آپ کی ازواج مطہرات کے بارے میں نازل ہوئے۔ اگرچہ حکم ان کا آپ کی ذات کے ساتھ مخصوص نہیں۔ اس میں اگرچہ سبب نزول خاص ہے، واقعہ کی بناء پر بیان اور تعبیر میں خاص ازواج مطہرات کا ذکر ہے مگر حکم ساری امت کے لیے عام ہے"۔ (۱۷)

مولانا مودودی (م 1979ء) نے اس بارے میں اپنے خیال کا اظہار یوں کیا ہے۔

"آیت کا آخری فقرہ اس بات کی طرف اشارہ کر رہا ہے کہ جو لوگ بھی مردوں اور عورتوں کے دل پاک صاف رکھنا چاہیں انہیں یہ طریقہ اختیار کرنا چاہیے۔ اس میں سے آخر یہ نسوانی روح کیسے کشید کی جا سکتی ہے کہ مخلوط مجالس اور مخلوط تعلیم اور جمہوری اداروں اور دفاتر میں مردوں اور عورتوں کا بے تکلف میل جول بالکل جائز ہے"۔ (۱۸)

مبشر احمد ربانی نے لکھا ہے کہ اس آیت کریمہ میں اگرچہ خطاب ازواج مطہرات کو ہے لیکن اس کا حکم عام ہے۔ جیسا کہ قرآن حکیم کا بہت سے مقامات پر یہی اسلوب ہے۔ اس آیت کے عام ہونے کی ایک دلیل اس حکم کی علت ہے یعنی یہ حجاب و پردہ تمہارے اور ان کے دلوں کی طہارت کا بہترین ذریعہ ہے"۔ (۱۹)

دوسری رائے کے مطابق حجاب کا یہ حکم ازواج مطہرات کے لیے خاص تھا۔ اس کے بہت سے دلائل ہیں۔

اولاً ان مسائل کا جائزہ لیا جاتا ہے جو آیت حجاب میں بیان کیے گئے ہیں۔ ان کی تفصیل یہ ہے۔

۱۔ رسول اکرم ﷺ کے گھروں میں اجازت کے بغیر داخل نہ ہونا۔

۲۔ آپ ﷺ کے گھروں میں دعوت طعام کے آداب۔

۳۔ غیر مردوں کو ازواج مطہرات سے حجاب کی اوٹ میں چیزیں طلب کرنا۔

۴۔ مقصد حجاب یہ کہ یہ دلوں کی طہارت کا بہترین ذریعہ۔

۵۔ رسول اکرم ﷺ کو ایذا نہ دینے کا حکم۔

۶۔ رسول اللہ ﷺ کے وصال کے بعد ازواج مطہرات سے نکاح نہ کرنے کا حکم۔

اب ان مسائل کا اس طرح جائزہ پیش کیا جاتا ہے کہ اس آیت میں مذکور تمام مسائل کا حکم دیگر مسلمانوں کے لیے عام ہے لیکن ان کی دلیل یہ آیت نہیں بلکہ وہ آیات ہیں جن میں یہ احکام الگ نوعیت سے دیئے گئے ہیں۔

۱۔ پہلا حکم رسول اکرم ﷺ کے گھروں میں بلا اجازت داخل نہ ہونے سے متعلق ہے۔ جب کہ مسلمانوں کو دیگر مسلمانوں کے گھروں میں بلا اجازت داخل نہ ہونے کا حکم سورۃ النور میں اس طرح دیا گیا۔

"یایھا الذین امنوا لا تدخلوا بیوتا غیر بیوتکم حتی تستانسوا وتسلموا علی اھلھا" (۴۰)

ترجمہ: "اے ایمان والو! اپنے گھروں کے سوا اور گھروں میں نہ داخل ہو جب تک اجازت نہ لے لو اور وہاں کے رہنے والوں کو سلام نہ کرلو، یہی تمہارے لیے بہتر ہے تاکہ تم نصیحت حاصل کرلو اور وہاں تمہیں کوئی بھی نہ مل سکے تو پھر اجازت ملے بغیر اندر نہ جاؤ اور اگر تم سے لوٹ جانے کو کہا جائے تو تم لوٹ جاؤ"۔

۲۔ دوسرا حکم آنحضور ﷺ کے گھروں میں دعوت طعام کے آداب سے متعلق ہے۔ عام مسلمانوں کے لیے ایسا ہی حکم سورۃ النور میں اس طرح دیا گیا۔

"لیس علی الاعمی حرج ولا علی الاعرج حرج ولا علی المریض حرج ولا علی انفسکم ان تاکلوا من بیوتکم او بیوت ابائکم او بیوت امھتکم او بیوت اخوانکم او بیوت اخوتکم او بیوت اعمامکم او بیوت عمتکم او بیوت اخوالکم او بیوت خلتکم او ماملکتم مفاتحہ او صدیقکم لیس علیکم جناح ان تاکلوا جمیعا او اشتاتا (۴۱)

ترجمہ: "اندھے پر، لنگڑے پر، بیمار پر اور خود تم پر کوئی حرج نہیں کہ تم اپنے گھروں سے کھالو یا اپنے باپوں کے گھروں سے یا اپنی ماؤں کے گھروں سے یا اپنے بھائیوں کے گھروں سے یا اپنی بہنوں کے گھروں سے یا اپنے چچاؤں کے گھروں سے یا اپنی پھوپھیوں کے گھروں سے یا اپنی بہنوں کے گھروں سے یا اپنے چچاؤں کے گھروں سے یا اپنی پھوپھیوں کے گھروں سے یا اپنے ماموں کے گھروں سے یا اپنی خالاؤں کے گھروں سے یا ان گھروں سے جن کی چابیوں کے تم مالک ہو یا اپنے دوستوں کے گھروں

سے تم پر اس میں کوئی گناہ نہیں کہ تم سب ساتھ بیٹھ کر کھانا کھاؤ یا الگ الگ"۔

اس آیت میں دوستوں کو دوستوں کے گھروں میں اکٹھے مل کر یا الگ الگ کھانا کھانے کی اجازت دی گئی۔

۳۔ تیسرا حکم غیر مردوں کو ازواج مطہرات سے حجاب کی اوٹ میں چیزیں طلب کرنے کا حکم دیا گیا۔ عام مسلمانوں کو دیگر خواتین سے متعلق ایسا کوئی حکم نہیں دیا گیا البتہ اس کے متبادل سورۃ النور میں یہ حکم دیا گیا۔

قل للمؤمنین یغضوا من ابصارھم (۴۲)

ترجمہ: "مسلمان مردوں سے کہہ دیجیے کہ وہ اپنی نگاہیں نیچی رکھیں"۔

۴۔ اس آیت کے چوتھے حکم میں مقصد حجاب کو اس طرح بیان کیا گیا کہ یہ حکم حجاب ازواج مطہرات اور مسلمانوں کے دلوں کے لیے نہایت پاکیزگی کا باعث ہے۔ چونکہ عام مسلمانوں کو عام خواتین سے حجاب کی اوٹ میں بات کرنے کی بجائے غض بصر یعنی نظروں کو جھکانے کا حکم دیا گیا ہے، لہٰذا غض بصر کے حکم کے مقصد کو سورۃ النور میں یوں بیان کیا گیا۔

ذلک ازکی لھم ان اللہ خبیر بما یصنعون (۴۳)

ترجمہ: "یہی ان کے لیے پاکیزگی ہے لوگ جو کچھ کریں اللہ تعالیٰ سب سے خبردار ہے"۔

یعنی اصل بات نیت کی ہے اور اس نیت کے مطابق انسان جو عمل کرتا ہے اس سے اللہ تعالیٰ باخبر ہوتا ہے۔

۵۔ اس آیت میں پانچویں بات رسول اکرم ﷺ کو ایذا نہ دینے کے حکم سے متعلق ہے۔ آقائے دو عالم ﷺ کو ایذا دینے کی سزا اس طرح بیان کی گئی ہے۔

ان الذین یؤذون اللہ ورسولہ لعنھم اللہ فی الدنیا والاخرۃ واعدلھم عذابا مھینا (۴۴)

ترجمہ: "بے شک جو لوگ اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کو ایذا دیتے ہیں اللہ تعالیٰ ان پر دنیا اور آخرت میں لعنت کرتا ہے اور ان کے لیے ذلیل کرنے والا عذاب تیار کر رکھا ہے"۔

لیکن عام مسلمانوں کو ایذا دینے کی سزا سورۃ الاحزاب میں یوں بیان کی گئی۔

والذین یؤذون المؤمنین والمؤمنت بغیر ما اکتسبوا فقد احتملوا بھتانا واثما مبینا (۴۵)

ترجمہ: "وہ لوگ جو مومن مردوں اور ایمان والی عورتوں کو بغیر اس کے کہ انہوں نے کچھ کیا ہو ایذا پہنچاتے ہیں تو وہ لوگ بہتان اور صریح گناہ کا بوجھ اٹھاتے ہیں"۔

یعنی اگر وہ ایذا قولی ہے تو بہتان اور اگر فعلی ہے تو مطلقاً گناہ ہوگا۔

۶۔ چھٹا حکم رسول اللہ ﷺ کے وصال مبارک کے بعد ازواج مطہرات سے نکاح نہ کرنے کا حکم ہے۔ دیگر مسلمانوں کے لیے ایسا کوئی حکم نہیں، اس کے برعکس ہر مسلمان عورت کو بیوہ ہونے کے بعد عقد ثانی کی نہ صرف اجازت ہے بلکہ ان کے بارے فرمایا گیا۔

واذا طلقتم النساء فبلغن اجلهن فلا تعضلوهن ان ينكحن ازواجهن اذا تراضوا بينهم بالمعروف.

(۳۶)

ترجمہ: ''اور جب تم اپنی عورتوں کو طلاق دو پھر وہ اپنی عدت پوری کر چکیں تو آپ ان کو اپنے ازواج سے نکاح کرنے سے نہ روکیں جب کہ باہم قواعد کے موافق سب رضامند ہو جائیں''۔

ایسے ہی بیوہ عورتوں سے متعلق فرمایا گیا۔

فاذا بلغن اجلهن فلا جناح عليكم فيما فعلن في انفسهن بالمعروف (۳۷)

ترجمہ: ''جب وہ (بیوہ عورتیں) اپنی عدت مکمل گزار لیں تو تم پر کوئی گناہ نہیں ہوگا کہ وہ عورتیں اپنی ذات کے لیے قواعد کے مطابق کچھ کارروائی (نکاح) کر لیں''۔

ان احکام کے علاوہ قرآن مجید میں دیگر کئی احکامات پر بھی اس اسلوب کو اختیار کیا گیا جیسے تحویل قبلہ کے وقت رسول اکرم ﷺ سے خصوصاً فرمایا گیا۔

فول وجهك شطر المسجد الحرام (۳۸)

ترجمہ: ''آپ اپنا چہرہ (مبارک) مسجد حرام کی طرف پھیر لیں''۔

چونکہ یہ حکم رسول اللہ ﷺ کے لیے خاص اور آپ کو مخاطب کر کے یہ حکم دیا گیا لہٰذا امت مسلمہ کو ایسا ہی الگ عام حکم اس طرح دیا گیا۔

وحيث ما كنتم فولوا وجوهكم (۳۹)

ترجمہ: ''(اے مسلمانو!) آپ جہاں کہیں ہوں اپنا منہ مسجد حرام کی طرف پھیرا کریں''۔

سورۂ احزاب میں آنحضور ﷺ کے لیے ان خواتین کا ذکر کیا گیا جن سے آپ کا نکاح جائز ہے۔ ان آیات کا ترجمہ یہ ہے۔

''اے نبی (ﷺ!) ہم نے آپ کے لیے وہ ازواج حلال کر دیں جنھیں آپ ان کا مہر دے چکے ہیں اور وہ لونڈیاں بھی جو اللہ تعالیٰ نے غنیمت میں آپ کو دیں اور آپ کے چچا کی لڑکیاں اور

پھوپھیوں کی بیٹیاں جنھوں نے آپ کے ساتھ ہجرت کی اور وہ باایمان عورت جو اپنا نفس آپ ﷺ کو ہبہ کر دے، یہ اس صورت میں کہ آپ بھی ان سے نکاح کرنا چاہیں۔ یہ خاص طور پر آپ ہی کے لیے ہے دیگر مومنوں کے لیے نہیں''۔ (۳۰)

جب کہ مسلمانوں کے لیے جن عورتوں سے نکاح کرنے کی اجازت دی گئی ہے، اس کا الگ ذکر سورۃ النساء میں اس طرح کیا گیا ہے۔

احل لكم ما وراء ذلكم (۳۱)

ترجمہ: ''محرمات کے علاوہ باقی عورتیں تمہارے لیے حلال کی گئی ہیں''۔

بہر حال اگر کسی خاص حکم کو عام قرار دینے کے لیے الگ حکم دیا گیا ہو جیسا کہ اوپر ذکر کیا گیا ہے تو اس کی عمومیت کے لیے خاص حکم دلیل نہیں ہوگا بلکہ اس کے لیے دلیل عام حکم ہی ہوگا جیسے مسلمانوں کے لیے تحویل قبلہ کا اثبات ''فول وجهك شطر المسجد الحرام'' سے نہیں ہوگا بلکہ تحویل قبلہ کی دلیل ''وحيث ما كنتم فولوا وجوهكم شطره'' ہوگا۔

بعض لوگ سورۃ الاحزاب کی آیت جلباب کو اس حکم حجاب کا متبادل قرار دیتے ہیں۔ اس صورت میں اس آیت کو ازواج مطہرات کے لیے خاص تسلیم کرنا ہوگا اور ان کے لیے حجاب کے لیے دلیل آیت جلباب ہوگی''۔ (۳۲)

کیا آیت جلباب سے حجاب کا حکم ثابت ہوتا ہے یہ الگ بحث ہے اس حوالے سے اس کا ذکر آیت جلباب کے تفسیری پہلوؤں سے کیا جائے گا۔

اس بحث سے یہ واضح ہوا کہ آیت حجاب ازواج مطہرات کے لیے خاص تھی۔

آیت حجاب کے اس جائزے کے علاوہ اور بھی متعدد شواہد موجود ہیں جن سے یہ واضح ہوتا ہے کہ حجاب کا یہ حکم ازواج مطہرات کے لیے خاص تھا، وہ دلائل و شواہد یہ ہیں۔

۱۔ صحیح بخاری میں حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ میرے رب نے تین معاملات میں میری موافقت کی ہے، میں نے عرض کی، یا رسول اللہ، آپ مقام ابراہیم کو اپنا مصلیٰ بنالیں۔ پھر میں نے عرض کی، یا رسول اللہ ﷺ! آپ کے گھر میں نیک اور فاجر لوگ داخل ہوتے ہیں پس آپ ازواج مطہرات کو حجاب کا حکم دیجیے پھر اللہ تعالیٰ نے آیت حجاب نازل فرمائی۔ (۳۳)

اس روایت سے یہ واضح ہوتا ہے کہ حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے ازواج مطہرات کے

حوالے سے اپنی خواہش کا اظہار کیا نہ کہ دیگر عام مسلمان خواتین کے حوالے سے۔
آپ کی خواہش کے مطابق اللہ تعالیٰ نے بھی صرف ازواج مطہرات کے لیے حکم حجاب کا
نزول فرمایا نہ کہ عام مسلمان خواتین کے حوالے سے۔

۲۔ اس آیت کا حکم ازواج مطہرات کے ساتھ خاص ہونے کی دوسری دلیل یہ ہے کہ اس حکم کے نزول کے
بعد عام مسلمانوں کی بجائے صرف ازواج مطہرات کے والد، بھائیوں اور دیگر قریبی رشتہ داروں نے کہا۔

نحن ايضا نكلمهن من وراء حجاب (۳۴)

ترجمہ: ''کہ ہم بھی آنحضور رسول اللہ (ﷺ) کی ازواج مطہرات سے پردے کی آڑ میں بات کریا
گے''۔

اس پر اللہ تعالیٰ نے یہ آیت مقدسہ نازل فرمائی۔

لاجناح عليهن في ابائهن ولا ابنائهن ولا اخوانهن ولا ابناء اخوانهن ولا ابناء اخواتهن ولا نسائهن
(۳۵)

ترجمہ: ''ان خواتین پر اس میں کوئی گناہ نہیں کہ وہ اپنے باپ دادا اپنے بیٹوں اور اپنے بھائیوں اور اپنے
بھتیجوں اور اپنے بھانجوں اور ہم دین خواتین سے پردہ نہ کریں''۔

گویا اس آیت میں ازواج مطہرات کو ان رشتہ داروں سے بلا حجاب بات کرنے کی اجازت
دی گئی۔

۳۔ حضرت انس رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ جب یہ آیات حجاب نازل ہوئیں تو میں اس وقت لوگوں
میں سب سے کم سن تھا اور رسول اللہ ﷺ کی ازواج مطہرات نے پردہ کر لیا۔ (۳۶)

اگر یہ حکم تمام مسلمان عورتوں کے لیے واجب ہوتا تو حضرت انس رضی اللہ عنہ اس حکم پر
ازواج مطہرات کے عمل کو خصوصاً بیان نہ کرتے کیونکہ دیگر اسلام کے احکام واجب میں سے کسی حکم کے
بارے میں خصوصاً ایسا ذکر نہیں کیا گیا۔

حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ کے اس قول پر کہ 5ھ میں آیت حجاب نازل ہونے
کے بعد آپ ﷺ نے اپنی تمام ازواج مطہرات کا مجھ سے پردہ کرایا۔ میری عمر اس وقت پندرہ سال
تھی۔ (۳۷)

عبدالرحمٰن کیلانی نے لکھا ہے کہ ''اس حکم کے نزول کے بعد ازواج مطہرات نے اپنے

گھروں کے دروازوں پر پردے لٹکا دیے۔ پھر ان کی دیکھا دیکھی دوسرے مسلمانوں نے بھی اپنے
گھروں کے دروازوں پر پردے لٹکا دیے۔ (۳۸)

اس عبارت میں ''دیکھا دیکھی'' کے الفاظ قابل توجہ ہیں، اس لیے کہ فرائض و واجبات کی
ادائیگی دیکھا دیکھی کی بنیاد پر نہیں کی جاتی۔ نماز، روزہ، زکوٰۃ اور حج و دیگر فرائض و واجبات کی ادائیگی
صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے دیکھا دیکھی شروع نہیں کی تھی بلکہ ان احکام کو فرض یا واجب جانتے ہوئے
شروع کیا تھا۔ دیکھا دیکھی کی بنیاد پر کیا جانے والا عمل زیادہ سے زیادہ مباح یا مستحب قرار دیا جا سکتا ہے نہ
کہ فرض یا واجب۔ لہٰذا حضرت انس رضی اللہ عنہ کا حجاب سے متعلق ازواج مطہرات کے عمل کو بیان کرنا
ظاہر کرتا ہے کہ یہ عمل ان کی خصوصیات میں سے تھا۔

۴۔ اللہ تعالیٰ نے ازواج مطہرات کو حجاب کا حکم براہ راست دینے کی بجائے بالواسطہ طریقے سے دیا ہے،
جس سے ان کی عظمت کا اظہار ہوتا ہے۔ نیز حکم کا یہ انداز اس حکم کو ازواج مطہرات کی خصوصیت کو بھی
ظاہر کرتا ہے۔ اس لیے علماء کرام نے اس حکم اور حکم کی نوعیت کو ازواج مطہرات کے خصائص میں شمار کر لیا
ہے۔

علامہ عبدالباقی الزرقانی (م 1122ھ) نے علامہ قاضی عیاض (م 544ھ) کا یہ قول
نقل کیا ہے۔

"فرض الحجاب مما اختصصن به فهو فرض عليهن بلا خلاف في الوجه والكفين".(۳۹)

ترجمہ: ''اس میں کسی کو اختلاف نہیں کہ چہرہ اور ہاتھ کے حجاب میں ازواج مطہرات کے لیے مخصوص
حجاب کی فرضیت ان کی خصوصیت تھی''۔

امام نووی (م 676ھ) فرماتے ہیں کہ:

''ازواج مطہرات کے لیے بلا اختلاف ہاتھوں اور چہرے کو چھپانا فرض تھا اور انہیں کسی بھی شرعی
حاجت وغیرہ میں بھی ان اعضاء کا کھولنا جائز نہ تھا''۔ (۴۰)

امام شہاب الدین احمد قسطلانی (م 923ھ) فرماتے ہیں کہ ''ازواج مطہرات کے لیے عام
چہرہ دکھلا رکھنا حرام تھا''۔ (۴۱)

۵۔ رسول اکرم ﷺ کا اپنا عمل بھی اس بات کی شہادت دیتا ہے کہ ازواج مطہرات سے متعلق حجاب کا یہ حکم
ان کے خصائص میں سے تھا، عام عورتوں کے لیے یہ حکم ہرگز نہیں تھا۔

جامع ترمذی میں ہے کہ ام المومنین حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا اور حضرت میمونہ رضی اللہ عنہا آپ ﷺ کے پاس تھیں کہ حضرت عبداللہ بن ام مکتوم رضی اللہ عنہ آپ کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ آپ نے اپنی ان دونوں ازواج مطہرات سے فرمایا کہ تم پردے میں جاؤ۔ چونکہ یہ نابینا تھے لہٰذا انھوں نے عرض کی،

"الیس ھو اعمیٰ لا یبصرنا ولا یعرفنا فقال رسول اللہ ﷺ: افعمیا وان انتما الستما تبصرانہ" (۴۲)

ترجمہ: "کیا وہ نابینا نہیں وہ ہمیں دیکھتا ہے، نہ ہمیں پہچانتا ہے" پھر آپ ﷺ نے فرمایا "کیا تم اسے نہیں دیکھتیں"۔

ایک اور نابینا صحابی حضرت اسحاق رضی اللہ عنہ ام المومنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کی خدمت میں حاضر ہوئے ان سے بھی اسی بنا پر آپ نے پردہ کیا۔ (۴۳)

اس حدیث کے مطابق ازواج مطہرات کو عام حالات میں عام مردوں کے علاوہ نابینا مردوں کو بھی دیکھنے سے منع فرمایا گیا۔

جب کہ عام خواتین کو اس حکم سے مستثنیٰ قرار دیا گیا۔ جیسے حضرت فاطمہ بنت قیس رضی اللہ عنہا کو جب ان کے شوہر حضرت ابو عمرو بن حفص رضی اللہ عنہ نے طلاق دی تو عدت گزارنے کیلئے رسول اکرم ﷺ نے ان سے فرمایا:

"اعتدی عند ام مکتوم فانہ رجل اعمیٰ تضعین ثیابک" (۴۴)

ترجمہ: "تو عبداللہ بن ام مکتوم کے ہاں عدت گزار، کیونکہ وہ نابینا شخص ہے اور تم اپنا دوپٹہ وغیرہ اس گھر میں اتار سکتی ہو"۔

نیز آپ ﷺ نے یہ نہیں فرمایا کہ تم نے اس کی طرف نہیں دیکھنا اور نہ ہی یہ فرمایا کہ تو اس سے حجاب کر۔

ابن مکتوم حضرت فاطمہ بنت قیس کے ابن عم (چچا) کے بیٹے تھے۔ اس لیے 10ھ کو آپ ﷺ نے حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کو ان کے ہاں عدت گزارنے کا حکم فرمایا۔ اس طرح یہ دونوں باہم رشتہ دار تھے لیکن آپس میں غیر محرم تھے۔ (۴۵)

حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا نے حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہ کے ہاں عدت کے تین ماہ

گزارے۔ اس دوران عام حالات میں حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا، حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہ کو دیکھتی رہیں۔ لہٰذا یہ حدیث اس بات کی شہادت دیتی ہے کہ حجاب کا جو حکم ازواج مطہرات کیلئے خاص تھا، وہ عام مسلم عورتوں کے لیے نہیں تھا۔

۶۔ حکم حجاب ازواج مطہرات کے لیے خاص تھا۔ اس پر ایک شہادت ازواج مطہرات کا اس حکم پر شدت سے عمل کرنا ہے۔ جب کہ شریعت میں اس حکم پر عام مسلمان عورتوں کے لیے رخصت ہے۔

رسول اکرم ﷺ نے حالت احرام میں خواتین کے بارے میں فرمایا:

ولا تنتقب المحرمۃ ولا تلبس القفازین۔ (۴۶)

ترجمہ: "احرام والی عورت نہ نقاب اوڑھے اور نہ دستانے پہنے"۔

ام المومنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا اس رخصت کے باوجود ضرورت کے وقت نقاب اوڑھتیں۔ چنانچہ سنن ابی داؤد میں روایت ہے کہ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں:

"کان الرکبان یمرون بنا ونحن محرمات مع رسول اللہ ﷺ فاذا حاذوا بنا سدلت احدانا جلبابھا من رأسھا علی وجھھا فاذا جاوزونا کشفناہ"۔ (۴۷)

ترجمہ: "حجۃ الوداع کے سفر میں ہم لوگ بحالت احرام رسول اللہ ﷺ کے ساتھ تھے، جب مسافر ہمارے پاس سے گزرتے تو ہم اپنے سر سے چادریں کھینچ کر منہ پر ڈال لیتی تھیں اور جب وہ گزر جاتے تو ہم منہ کھول لیتی تھیں۔

بعض لوگ ان احادیث سے یہ مفہوم اخذ کرتے ہیں کہ چونکہ حالت احرام میں نقاب نہ اوڑھنے کا حکم دیا گیا ہے لہٰذا عام حالات میں نقاب اوڑھنے کا حکم ہے۔

یہ استدلال بظاہر درست نہیں اس لیے کہ یہاں احرام کی حالت میں نقاب نہ کرنے کے علاوہ دستانے نہ پہننے کا بھی حکم ہے، لہٰذا ان لوگوں کے نزدیک نقاب کرنے کے ساتھ ساتھ دستانے پہننے بھی لازمی ہونا چاہیے جب کہ عملاً ایسا نہیں اس لیے کہ ان کے ہاں چہرہ ستر میں داخل ہے اور ہاتھ ستر میں داخل نہیں۔

لہٰذا ایک ہی حدیث کے ایک حصے سے کسی امر کا استدلال کرنا اور دوسرے حصے سے استدلال نہ کرنا عجیب معلوم ہوتا ہے۔

۷۔ ازواج مطہرات کے بعض محرم رشتہ دار ایسے تھے جن سے آپ پردہ کرتیں اور وہ محرم رشتہ دار بھی ان

کے ہاں نہیں جاتے تھے۔

حضرت حسن و حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہما، حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کے محرم تھے اس لیے کہ یہ دونوں رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے نواسے تھے۔ اس طرح یہ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کے بھی نواسے کہلاتے، لیکن اس کے باوجود آپ ان سے پردہ کرتی تھیں۔ حسنین کریمین بھی ان کے ہاں نہ جاتے۔ اگرچہ حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ نے ان دونوں کا حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کے ہاں بغیر حجاب کے جانا جائز و صحیح قرار دیا تھا۔ (۴۸)

۸۔ ازواج مطہرات اس شدت سے حجاب کیوں کرتیں۔ اس کے متعلق امام مسعود بن الفراء البغوی (م 516ھ) فرماتے ہیں کہ آیت حجاب کے نزول کے بعد کسی شخص کو اجازت نہ تھی کہ وہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی کسی زوجہ محترمہ کی طرف نظر اٹھا کر دیکھے خواہ وہ نقاب میں ہوں یا بغیر نقاب کے۔ (۴۹)

علامہ علاؤ الدین علی بن محمد خازن (م 735ھ) نے فرمایا:

لم یکن لاحد ان ینظر الی امرأۃ من نساء رسول اللہ ﷺ منتقبۃ او غیر منتقبۃ (۵۰)

ترجمہ: "کسی مسلمان کے لیے جائز نہیں کہ وہ ازواج مطہرات میں سے کسی کی طرف نظر کرے خواہ وہ نقاب میں ہوں یا بغیر نقاب کے"۔

جب کہ عام مسلم خواتین کو نقاب یا برقعہ میں دیکھنا بالاتفاق گناہ نہیں ہے۔ جب کہ ائمہ فقہاء کے نزدیک اجنبی عورت کے چہرے اور ہاتھوں کی طرف دیکھنا جائز ہے بشرطیکہ فتنہ کا خوف نہ ہو۔ (۵۱)

ازواج مطہرات کی اس خصوصیت کے پیش نظر حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے حضرت زینب رضی اللہ عنہا بنت جحش کا جنازہ لے جاتے وقت ان کی نعش مبارک پر ایک قبہ بنایا تھا تاکہ عام لوگوں کی نظر آپ کے جسد مبارک پر نہ پڑے۔ (۵۲)

۱۰۔ قابل غور بات یہ ہے کہ ازواج مطہرات جن کے بارے میں ارشاد ربانی ہے: "ازواجہ امھٰتھم" "رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ازواج تمام مسلمانوں کی مائیں ہیں۔

جب آپ امت مسلمہ کے مردوں کی روحانی مائیں ہیں تو پھر یہ حجاب ان پر فرض کیوں کیا گیا اگر ان پر فرض ہے تو دیگر مسلم خواتین پر بدرجہ اولیٰ فرض ہونا چاہیے۔

ازواج مطہرات کے لیے فرضیت حجاب کی دو وجوہ تھیں:

۱

اول۔ خصوصی عزت، عظمت و حرمت:

ازواج مطہرات کے لیے حجاب کی فرضیت کی علت ان کی خصوصی عزت، عظمت و تکریم اور وہ خصائص ہیں جن سے دیگر خواتین محروم ہیں۔ ازواج مطہرات کے بارے اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

ینساء النبی لستن کاحد من النساء (۵۳)

اے نبی (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کی ازواج تم معمولی عورتوں کی طرح نہیں ہو جیسے عمل صالح کی ادائیگی پر ازواج مطہرات کے لیے دوگنا ثواب ہے جب کہ واضح فحش کے ارتکاب پر انہیں دوگنا عذاب کی وعید سنائی گئی۔ اس خصوصیت سے عام مسلم خواتین محروم ہیں۔ اس طرح فرضیت حجاب بھی ازواج مطہرات کی خصوصیت ہے۔

دوم۔ امت کا تحفظ:

ازواج مطہرات کے لیے فرضیت حجاب کی دوسری وجہ امت کے مردوں کا تحفظ ہے اس لیے کہ اگر ازواج مطہرات میں سے کوئی بھی حجاب میں نہ ہوں اور ان کی طرف دیکھنے سے کسی مسلمان کے دل میں کسی طرح کا کوئی خیال پیدا ہو جائے تو محض اس خیال سے تباہی اس کا مقدر ہو جاتی ہے۔

چنانچہ صحیح بخاری میں روایت ہے کہ ایک بار ام المومنین حضرت صفیہ رضی اللہ عنہا دوران اعتکاف رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی زیارت کے لیے مسجد نبوی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم میں آئیں۔ تھوڑی دیر آپ سے بات چیت کی۔ پھر آپ انہیں رخصت کرنے کے لیے ان کے ساتھ مسجد کے دروازے تک تشریف لائے اور وہاں کچھ عرصہ کے لیے کھڑے ہو گئے اسی دوران انصار میں سے دو اشخاص وہاں سے گذرے تو انہوں نے رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے سلام عرض کیا۔ آپ نے ان سے فرمایا ذرا ٹھہرو دیکھو یہ میرے پاس (میری زوجہ) صفیہ ہیں۔ انہوں نے عرض کی یا رسول اللہ آپ یہ کیا فرماتے ہیں اس پر آپ نے فرمایا۔

ان الشیطان یبلغ من الانسان مبلغ الدم وانی خشیت ان یقذف فی قلوبکما شیا وفی روایۃ فتھلکا (۵۵)

ترجمہ: "شیطان انسان میں خون کی طرح گھوم جاتا ہے مجھے اس کا خطرہ ہوا مبادا تمہارے دلوں میں کوئی وسوسہ ڈالے اور اس کی وجہ سے تم خواہ مخواہ ہلاک ہو جاؤ"۔

دوسری روایت کے مطابق آپ ﷺ نے فرمایا کہ تم کوئی بدگمانی کرتے بلکہ بات یہ ہے کہ

میں خوب جانتا ہوں کہ کبھی شیطان دل میں غیر اختیاری وسوسے ڈال دیتا ہے۔

لہٰذا اس تحفظ کے پیش نظر ازواج مطہرات کے لیے حجاب اس حد تک ضروری قرار دیا گیا کہ وہ شرعی حوائج کے لیے بھی اپنا چہرہ نہیں کھول سکتی تھیں اور عام مسلمان ازواج مطہرات کو نہ نقاب و حجاب میں اور نہ بغیر حجاب کے انہیں دیکھ سکتا تھا۔

باندی کے لیے حجاب نہ ہونے پر تمام آئمہ کا اجماع ہے بلکہ حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے وقار ما ی ایک نقاب پوش باندی کو دیکھا اور اس کا حجاب اتار دیا۔(۵۶)

حضرت ماریہ قبطیہ رضی اللہ عنہا جن سے رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے صاحبزادے حضرت ابراہیم رضی اللہ عنہ کی ولادت ہوئی باندی ہونے کے باوجود آنحضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے انہیں حجاب کا حکم دیا۔(۵۷)

اس سے بھی ازواج مطہرات کے لیے حجاب کی فرضیت واضح ہوتی ہے۔

۱۱۔ازواج مطہرات کے لیے حجاب کی اس فرضیت کا اظہار اس سے بھی ہوتا ہے کہ اکثر علماء کرام کے نزدیک عام عورتوں پر چہرے کا حجاب واجب نہیں بلکہ زیادہ سے زیادہ سنت مستحب ہے چنانچہ شارح صحیح مسلم امام نووی (م ۶۷۶ھ) فرماتے ہیں:

لا یجب علی المراۃ ستر وجہہا فی طریقہا وانما ذلک ہو سنۃ مستحبۃ ویجب علی الرجال غض البصر. (۵۸)

عام مسلم خواتین پر راستے میں چہرے کا ڈھانپنا واجب نہیں سنت مستحب ہے البتہ مردوں پر نظروں کا جھکانا واجب ہے۔

اس طرح امام قسطلانی (م ۹۲۳ھ) فرماتے ہیں۔

لا یجب علی المراۃ ستر وجہہا فی الطریق وانما ہو سنۃ. (۵۹)

ترجمہ: "عام راستوں میں مسلم عورتوں پر چہرہ چھپانا واجب نہیں بلکہ سنت ہے"۔

علامہ غلام رسول سعیدی نے حنفی فقہاء احناف کے بارے لکھا ہے کہ متقدمین فقہاء احناف اس کے قائل ہیں کہ اجنبی عورت کے چہرے اور ہاتھوں کی طرف دیکھنا جائز ہے اگر فتنہ کا خوف نہ ہو۔(۶۰)

علامہ وحید الزماں نے لکھا ہے کہ عورت کا چہرہ اور گٹے تک ہاتھ کھلا رکھنے میں مضائقہ

نہیں (۶۱)

اگر اس آیت کا حکم بھی امہات المومنین کی طرح عام خواتین کے لیے لازم قرار دیا جائے تو پھر انہیں بھی چاہیے۔

(i) صرف ایک آنکھ راستہ دیکھنے کے لیے کھلی رکھیں۔

(ii) نہ خود کسی غیر محرم کو دیکھیں اور نہ اپنا چہرہ کسی غیر محرم کے سامنے کھلا رکھیں۔

(iii) تعلیمی اداروں میں کام کرنے والی عورتیں مرد دفتری عملہ سے بھی حجاب کریں۔

(iv) اپنے تمام غیر محرم رشتہ دار جیسے چچا زاد، ماموں زاد، خالہ زاد بھائیوں، اپنے شوہر کے چھوٹے اور بڑے تمام بھائیوں اور اپنے دیگر تمام رشتہ داروں سے حجاب کریں اور انہیں بھی نہ دیکھیں۔

اس طرح ازواج مطہرات پر واجب اس نوعیت کے حجاب کے مطابق جو عورت بھی حجاب نہیں کرے گی وہ حکم حجاب کی تارک کہلائے گی۔

حجاب کی یہ نوعیت وہ ہے جس پر آج شاید ہی کوئی عورت عمل پیرا ہو۔ علامہ وحید الزماں کے نزدیک حجاب کی اس صورت پر عمل کرنا بہت مشکل ہے۔(۶۲)

اس لیے کہ حجاب کی اس صورت پر عمل تب ممکن ہے جب خواتین کو آج گھروں میں مکمل طور پر پابند کر دیا جائے اور کسی بھی صورت میں انہیں گھر سے باہر نہ نکلنے دیا جائے۔ لیکن یہ وہ صورت ہے جو عورتوں کے لیے تکلیف مالا یطاق ہے اس پر آج بڑے سے بڑا دینی شخص نہ عمل کرتا ہے اور نہ ہی عمل کرا سکتا ہے۔

۱۲۔ازواج مطہرات کے لیے خاص حکم حجاب اور عام خواتین کے لیے حکم غض بصر کا باہمی جائزہ لیں تو بھی یہ واضح ہوتا ہے کہ حکم حجاب کا تعلق محض گھریلو زندگی سے متعلق ہے یعنی مومنوں سے کہا گیا کہ جب وہ نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے گھروں سے کوئی چیز طلب کریں تو حجاب کی اوٹ میں طلب کریں۔ جب کہ غض بصر کے حکم کا تعلق عام زندگی سے ہے یعنی کسی مسلمان کو کسی مسلمان عورت سے بات کرنے کی ضرورت ہو تو وہ بغیر کسی تخصیص کے کسی بھی مقام پر بات کر سکتا ہے لیکن اس کو نظروں کو جھکانے سے مشروط کیا گیا ہے۔

آیت حجاب اس لیے بھی ازواج مطہرات کے لیے خاص ہے کہ ازواج مطہرات سے عام کسی بھی مقام پر بات نہیں کی جا سکتی تھی سوائے ان کے گھر کے۔ واقعہ افک میں حضرت صفوان بن معطل رضی اللہ عنہا کے بارے میں حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہ فرماتی ہیں خدا کی قسم انہوں نے مجھ

سے کوئی بات نہیں کی اور سوائے "انا للہ وانا الیہ راجعون" کے اور کوئی لفظ میں نے ان سے نہیں سنا۔ (۹۳)

اگر اس آیت کو عام مسلم خواتین سے متعلق کیا جائے تو کوئی مسلمان کسی غیر عورت سے کسی بیرونی مقام پر بات نہیں کر سکتا۔ یہ وہ صورت ہے جو آج کے دور میں ناممکن العمل ہے۔ اس لیے کہ آج زندگی کے ہر شعبہ میں خواتین شریک عمل ہیں ہسپتال ہوں یا تعلیمی ادارے بنک ہوں یا دیگر ادارے ہر سطح پر خواتین مصروف عمل ہیں۔

عہد رسالت میں صحابہ کرام عام خواتین سے باہمی گفتگو کر لیا کرتے تھے بلکہ بعض صحابیات نے مختلف جنگوں میں حصہ لیا۔

حضرت ام حکیم بنت حارث رضی اللہ عنہا نے حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کے عہد خلافت میں رومیوں کے ساتھ لڑی جانے والی جنگ میں شرکت کی اور بڑی دلیری سے شہادت پائی ایسے ہی ہند بنت عتبہ رضی اللہ عنہا نے حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کے عہد میں لڑی جانے والی جنگ یرموک میں حصہ لیا۔ (۹۴)

نتیجہ البحث:

تحقیق سے یہ ثابت ہوا کہ:

۱۔ عورت و مرد کے ستر اور احکام ستر مختلف ہیں۔

۲۔ آیت حجاب کا نزول ۵ھ میں ہوا اور اس سے قبل تبرج جاہلیت سے منع کیا گیا۔

۳۔ آیت حجاب کا ایک خاص شان نزول ہے لہٰذا اس آیت میں دیے گئے تمام احکامات ازواج مطہرات کے لیے خاص تھے۔

۴۔ آیت حجاب میں ازواج مطہرات کو دیے گئے احکام دیگر مسلمانوں کو قرآن مجید میں الگ نوعیت سے دیے گئے ہیں۔

۵۔ اس آیت کا نزول منافقین کی غلط اور غیر اخلاقی حرکات کے باعث ہوا۔

۶۔ منافقین کے حوالے سے خاص شان نزول کے پس منظر میں نازل ہونے والا حکم عام نہیں ہوتا بلکہ جہاں یہ علت یا غلط نیت ہوگی یہ حکم مؤثر ہوگا ورنہ نہیں۔

۷۔ حجاب کا حکم ازواج مطہرات کے لیے فرض تھا جب کہ عام مسلم خواتین کے لیے زیادہ سے زیادہ حجاب

کی شرعی حیثیت استحباب کی ہوگی۔

۸۔ چونکہ یہ آیت ازواج مطہرات کے لیے خاص تھی لہٰذا اس سے عام مسلم خواتین کے لیے حجاب کا استدلال نہیں لیا جائے گا۔

۹۔ حجاب نہ کرنے والی خواتین نہ تو تارک واجب ہوں گی اور نہ ہی انہیں فاحشہ کہا جائے گا۔

حواشی وحوالہ جات

۱۔ راغب اصفہانی، المفردات فی غریب القرآن (بذیل مادہ س۔ت۔ر) نور محمد، کراچی، (س۔ن)، ص ۲۲۳

۲۔ ابن حجر احمد بن علی عسقلانی، تلخیص الحبیر (رباب شروط الصلوۃ حدیث نمبر ۳۲۲) المکتبۃ الاثریہ، شاہ کوٹ، (س۔ن)، ۱/۲۷۹۔

۳۔ علاؤ الدین کاسانی، بدائع الصنائع، مترجم ڈاکٹر محمود الحسن عارف، مرکز تحقیق دیال سنگھ لائبریری لاہور، ۱۹۹۷ء، ۲۸۵/۵، ۲۸۳۔

۴۔ عبد الرحمن کیلانی، احکام ستر و حجاب، مکتبہ السلام لاہور ۲۰۰۲ء، ص ۳۵

۵۔ سورۃ الاحزاب: ۳۳

۶۔ قاضی ثناء اللہ پانی پتی، تفسیر مظہری، مترجم سید عبد الدائم الجلالی، دار الاشاعت، کراچی، ۱۹۹۷ء، ۳۶۹/۹۔

۷۔ سورۃ البقرۃ: ۱۰۴

۸۔ علامہ امین احسن اصلاحی، تدبر قرآن، مکتبہ فاران، لاہور، ۱۹۹۳ء، ۲۶۳/۹۔

۹۔ ایضاً، ص ۲۶۵۔

۱۰۔ سورۃ النور، ۲۸، ۲۷۔

۱۱۔ امام بخاری، الجامع الصحیح، (کتاب التفسیر، باب لا تدخلوا بیوت النبی، نمبر ۴۷۹۱) نور محمد کراچی، ۱۹۳۸ء، ۲/۷۰۷، امام ترمذی، الجامع الترمذی (ابواب التفسیر، باب سورۃ الاحزاب، نمبر ۳۲۱۸) مکتبہ رحیمیہ دیوبند ۱۹۵۲ء، ۲/۱۵۳۔

۱۲۔ محمد ابن جریر طبری، تفسیر جامع البیان عن تاویل القرآن، تحقیق محمود شاکر، دار احیاء التراث العربی، بیروت، ۲۰۰۱ء، ۲۲/۳۸۔

۱۳۔ ایضاً

۱۴۔ عبد الرحمن کیلانی، احکام ستر و حجاب، ص ۴۱۔

۱۵۔ علامہ نور بخش توکلی، سیرتِ رسولِ عربی، (ہجرت کا پہلا سال) ضیاء القرآن پبلی کیشنز، لاہور (س۔ن)، ص ۸۰

۷۹۔

۱۶۔ سید نذیر حسین، فتاویٰ نذیریہ، اہل حدیث اکادمی، لاہور، ۱۹۷۱ء، ۳/ ۱۷۷۔

۱۷۔ مفتی محمد شفیع، تفسیر معارف القرآن، ادارۃ المعارف، ۱۹۷۸ء، ۷/ ۲۰۰۔

۱۸۔ علامہ مودودی، تفہیم القرآن، مکتبہ ترجمان القرآن، لاہور، ۱۹۷۹ء، ۳/ ۱۳۱۔

۱۹۔ مبشر احمد ربانی، پردے کی شرعی حیثیت، دار الاندلس، لاہور، ۲۰۰۱ء، ص ۳۲۔۳۱۔

۲۰۔ سورۃ النور: آیت ۲۷	۲۱۔ سورۃ النور: آیت ۳۱	۲۲۔ سورۃ النور: آیت ۳۰
۲۳۔ سورۃ النور: آیت ۶۰	۲۴۔ سورۃ الاحزاب: آیت ۵۳	۲۵۔ سورۃ الاحزاب: آیت ۵۸
۲۶۔ سورۃ البقرہ: آیت ۲۳۲	۲۷۔ سورۃ البقرہ: آیت ۲۳۳	۲۸۔ سورۃ البقرہ: آیت ۱۴۴
۲۹۔ سورۃ البقرہ: آیت ۱۴۳	۳۰۔ سورۃ الاحزاب: آیت ۵۳	۳۱۔ سورۃ النساء: آیت ۳۴

۳۲۔ سورۃ الاحزاب: آیت ۵۹

۳۳۔ امام بخاری، الجامع الصحیح، (کتاب التفسیر، باب قول و قالوا اتخذ اللہ ولدا، نمبر ۴۴۸۳)، ۲/ ۶۴۳

۳۴۔ ابو عبد اللہ محمد بن احمد القرطبی، الجامع لاحکام القرآن، دار الکاتب العربی، القاہرہ، ۱۹۶۷ء، ۱۶/ ۲۳۱

۳۵۔ سورۃ الاحزاب: آیت ۵۵

۳۶۔ امام مسلم، الجامع الصحیح، (کتاب النکاح، باب زواج زینب بنت جحش، نمبر ۳۵۰۷)، مطبع علیمی، دہلی، ۱/ ۴۶۱۔ امام
ترمذی، الجامع الترمذی، ابواب التفسیر القرآن، باب و من سورۃ الاحزاب، نمبر ۳۲۱۸)، ۲/ ۱۵۳۔

۳۷۔ ابن سعد، الطبقات الکبریٰ، ترجمہ عبد اللہ العمادی، دار الاشاعت، کراچی، ۲۰۰۳ء، ۲/ ۲۳۱

۳۸۔ عبد الرحمٰن کیلانی، احکام ستر و حجاب، ص ۳۱۔

۳۹۔ محمد الزرقانی بن عبد الباقی، شرح العلامہ الزرقانی علی المواہب اللدنیہ، ضبطہ و صححہ محمد عبد العزیز الخالدی، دار الکتب
العلمیہ، بیروت، ۱۹۹۶ء، ۷/ ۳۶۶۔

۴۰۔ ایضاً

۴۱۔ علامہ احمد بن ابی بکر القسطلانی، المواہب اللدنیہ، تحقیق صالح احمد الشامی، المکتب الاسلامی، بیروت ۱۹۹۱ء، ۲/ ۶۵۸۔

۴۲۔ امام ترمذی، الجامع الترمذی (ابواب الادب، باب ما جاء فی احتجاب، نمبر ۲۷۷۸)، ۲/ ۱۰۱

۴۳۔ ابن سعد، الطبقات الکبریٰ، ۸/ ۳۶۷

۴۴۔ امام مسلم، الجامع الصحیح، (کتاب الطلاق، باب المطلقۃ البائن، نمبر ۳۶۹۷)، ۱/ ۴۸۳۔

۴۵۔ علامہ نیاز فتح پوری، صحابیات، نفیس اکیڈمی، کراچی ۱۹۸۱ء، ص ۱۷۹

۴۶۔ امام بخاری، الجامع الصحیح (ابواب العمرہ، باب ما ینھی من الطیب للمحرم والمحرمۃ، نمبر ۱۸۳۸)، ۱/ ۲۴۸۔

۴۷۔ امام ابو داؤد، سنن ابی داؤد، (کتاب المناسک، باب فی المحرمۃ تغطی وجھھا، نمبر ۱۸۳۳)، نور محمد، کراچی ۱۳۶۹ھ،
۱/ ۲۵۴۔

۴۸۔ ابن سعد، الطبقات الکبریٰ، ۸/ ۲۳۲، ۲۶۹۔

۴۹۔ حسین بن مسعود الفراء البغوی، تفسیر البغوی، دار الکتب العلمیہ، بیروت، ۲۰۰۲ء، ۳/ ۳۶۶۔

۵۰۔ علاؤ الدین علی بن محمد خازن، تفسیر لباب التاویل فی معانی التنزیل، ذیل سورۃ الاحزاب ۵۳، دار المعرفۃ،
بیروت، (س۔ن)، ۳/ ۲۶۷۔ ۵۱۔ علامہ غلام رسول سعیدی، شرح صحیح مسلم، فرید بک سٹال، لاہور، ۲۰۰۳ء، ۵/ ۹۳۹۔

۵۲۔ امام قسطلانی، المواہب اللدنیہ، ۲/ ۶۵۸۔

۵۳۔ سورۃ الاحزاب ۲۶

۵۴۔ ایضاً: آیت ۳۲

۵۵۔ امام بخاری، الجامع الصحیح، (ابواب الاعتکاف، باب ھل یخرج المعتکف لحوائجہ، نمبر ۲۰۳۵)، ۱/ ۲۷۲

۵۶۔ امام قرطبی، الجامع لاحکام القرآن، ۱۴/ ۲۳۳

۵۷۔ ابن سعد، الطبقات الکبریٰ، ۸/ ۳۶۷

۵۸۔ امام یحییٰ بن شرف نووی، شرح صحیح مسلم، مطبع علیمی، دہلی ۱۳۲۸ھ، ۲/ ۲۱۳

۵۹۔ امام قسطلانی، المواہب اللدنیہ، ۲/ ۶۵۹

۶۰۔ علامہ غلام رسول سعیدی، شرح صحیح مسلم، ۵/ ۹۳۹

۶۱۔ وحید الزماں، ترجمہ سنن ابی داؤد، نعمانی کتب خانہ، لاہور، ۱۹۷۸ء، ۳/ ۲۸۱

۶۲۔ ایضاً ۳/ ۲۸۳

۶۳۔ قاضی ثناء اللہ پانی پتی، تفسیر مظہری، ۸/ ۲۹۵۔

۶۴۔ نیاز فتح پوری، صحابیات، ص ۲۷، ۲۳۸۔

تعارف مقالہ

”قرآن مجید کے آٹھ منتخب اردو تراجم کا تقابلی جائزہ“

محمد اعظم سعیدی
مہتمم، جامعہ اسلامیہ کورے وال، کراچی

محترم ڈاکٹر محمد شکیل اوج کی قبل ازیں بھی چند کتب و مقالہ جات طبع ہو کر اہل علم میں مقبولیت کی سند حاصل کر چکے ہیں اور یہ کہنا بھی مناسب ہوگا کہ ان مقالات و کتب نے ڈاکٹر صاحب موصوف کے زاویہ فکر کا تعین کر دیا ہے اور قرآن سے ان کے تعلق اور گہری لگن کو بھی مشخص کر دیا ہے اور زیر نظر کتاب ”قرآن مجید کے آٹھ منتخب اردو تراجم کا تقابلی جائزہ“ اس تعلق کی بین شہادت ہے۔ یہ کتاب ڈاکٹر صاحب کا وہ تحقیقی مقالہ ہے جس پر جامعہ کراچی نے موصوف کو پی ایچ ڈی (Ph.D) کی ڈگری ایوارڈ کی ہے۔ اس کتاب کی جامعیت و اہمیت تو اس کے نام سے ہی عیاں ہے، پھر جن منتخب آٹھ اردو تراجم کا تقابلی جائزہ لیا گیا ہے، ان میں سے ہر مترجم اپنے فکر و عقیدہ میں اسکول آف تھاٹ کی حیثیت کا حامل ہے اور وہ بھی ایسے جو اپنے متبعین و معتقدین میں حرف آخر ہیں۔ ایسے حضرات کے تراجم کو تقابل و تجزیہ کی کسوٹی پر پرکھنے کی سعی کو جسارت کا نام ہی دیا جا سکتا ہے لیکن اس شخصیت پرستی کے عہد میں صرف اور صرف ایک محقق ہی ایسا قدم اٹھا سکتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ ڈگری ایوارڈ ہونے کے ساتھ ہی جہاں اہل علم و دانش نے اس سعی جمیل کو بے حد سراہا، وہاں مطالعہ کی زحمت سے ناآشنا شخصیت پرستوں نے چہ میگوئیاں بھی کیں اور اپنے زعم کے زیر سایہ یہ باور کرلیا کہ ضرور ہمارے مقتدا کے ترجمہ کو کمتر کرنے کی کوشش کی گئی ہوگی۔ چنانچہ اس سوچ کو عوامی محافل و مجالس میں خوب پھیلایا گیا، مگر ”الحق یعلوا ولا یعلیٰ“ کے مصداق حق نے اپنی رفعت کو خود تسلیم کروایا کہ اہل علم میں ان منتخب اردو تراجم کے تقابلی جائزے کی خوب پذیرائی ہوئی۔

اب یہ مقالہ ادارہ ... کیرلا ہور سے کتابی شکل میں طبع ہو کر منظر عام پر آ گیا ہے۔

اس تحقیقی مقالہ میں تین فصول ہیں۔ فصل اول بطور مقدمہ کے ہے جس میں موضوع کی اہمیت، ضرورت اور تعارف کے زیر عنوان قرآن مجید کے اردو تراجم کی افادیت کو واضح کرنے کے ساتھ ساتھ تراجم کی نوعیت اور اپنے عہد کے اسکول آف تھاٹ ہونے کی عقدہ کشائی بھی کی گئی ہے اور اپنے مضبوط طرز استدلال سے یہ باور کرایا ہے کہ قرآن فہمی کو زندان مسلک میں مقید نہ کیا جائے بلکہ مسلک کو تصور قرآن کے عین سانچے میں ڈھالا جائے۔ چنانچہ فاضل محقق نے اسی نقطہ نظر کو اجاگر کرنے کے لیے آٹھ منتخب اردو تراجم قرآن کے حسن کو ایک گوہر شناس جوہری کی طرح پرکھا ہے۔ ڈاکٹر صاحب موصوف نے جن ذی وقار شخصیات کے تراجم کو موضوع تحقیق و تجزیہ بنایا ہے وہ درج ذیل ہیں۔

(۱) مولانا محمود الحسن دیوبندی	(۲) مولانا احمد رضا خان بریلوی
(۳) مولانا ثناء اللہ امرتسری	(۴) مولانا عبدالماجد دریابادی
(۵) مولانا سید ابوالاعلیٰ مودودی	(۶) مولانا امین احسن اصلاحی
(۷) مولانا پیر محمد کرم شاہ ازہری	(۸) مولانا ابو منصور

فاضل محقق نے مذکورہ مترجمین عظام کے تراجم سے منتخب آیات کا تقابلی جائزہ ”اقیموا الوزن بالقسط“ کے تتبع میں کیا ہے اور اس سلسلے میں کسی مترجم کی عقیدت کو تحقیق کی راہ میں سد سکندری نہیں ہونے دیا اور نہ ہی کسی طرف اپنے جھکاؤ کو ظاہر ہونے دیا ہے۔ یہی ایک محقق و نقاد کا عدل ہے۔

فصل دوم میں موضوع کا دائرہ بحث و تحقیق کو بیان کرنے کے لیے چھ ذیلی عنوانات قائم کیے ہیں اور ساتھ ہی اپنی تحقیق و تجزیہ کے لیے دیگر محققین کی طرح مختلف سورتوں سے من پسند آیات کا انتخاب کرنے کے بجائے ”عم پارہ“ کو بنیاد بنانے کی وجہ بھی بیان کردی ہے ورنہ حسب روایت یہ تاثر پیدا ہو جاتا کہ یہاں بھی کسی پسندیدہ ترجمہ کو اجاگر کرنے کی کوشش کی گئی ہے۔ نیز اس فصل میں یہ بھی واضح کر دیا کہ عم پارہ کی صرف انہی آیات مبارکہ کو موضوع تحقیق و تجزیہ بنایا ہے جن کے ترجمہ میں مترجمین کے مابین کوئی معنوی، لغوی، صرفی، نحوی یا ادبی فرق محسوس کیا ہے۔ جن آیات کے تراجم میں کوئی معنوی یا لغوی فرق نہیں تھا یا وہ آیات کہ جن کو کوئی اپنے مسلک کے لیے نمائندہ تصور کرتا ہے انہیں دائرہ تحقیق و تقابلی جائزے میں نہیں لایا گیا۔

فصل سوم میں موضوع کے لازمی مصادر اور اسلوب تحقیق کے زیر عنوان اختیار کیے گئے طرز تحقیق اور اسلوب نگارش کو مفصل بیان کر کے بطور نتیجہ یہ بتایا گیا ہے کہ اس انداز تحقیق سے مذکورہ تراجم کے حوالے سے پوشیدہ اور متنوع اختلافی امور اظہر من الشمس ہو گئے ہیں۔ یہ فصل چھ ابواب اور اختتامیہ پر مشتمل ہے۔

پہلے باب میں عہد نبوی ﷺ سے عہد حاضر تک قرآن حکیم کے ترجموں کی ضرورت و اہمیت پر

تفصیلی روشنی ڈالی گئی ہے اور علامہ سیوطی کی الاتقان کے حوالے سے تقریباً 59 مفسر قرآن صحابہ کرام کی نشاندہی کی گئی ہے۔ اسی طرح عہد تابعین میں حضرت عبداللہ ابن عباس کی سربراہی میں مکہ مکرمہ کے تفسیری مکتب، حضرت ابی بن کعب کی سربراہی میں مدینہ منورہ کے تفسیری مکتب اور حضرت عبداللہ بن مسعود کی سربراہی میں عراق کے تفسیری مکتب سے مع اسماء مفسرین روشناس کرایا گیا ہے پھر ترجمہ کی ضرورت واہمیت کو یہ کہہ کر اجاگر کیا گیا ہے کہ قرآن مجید کے مدعا و مفہوم کو سمجھنے اور قرآن سے حصول افادہ و استفادہ کے لیے ترجمہ بنیادی شرط ہے۔ اس کے بغیر قرآن کی تفہیم و تفسیر اور مراد تک رسائی ناممکن ہے، یہی وجہ ہے کہ دنیا کی بکثرت زبانوں میں قرآن مجید کا ترجمہ ہوا ہے اور یہ سلسلہ جاری رہے گا۔

دوسرے باب میں قرآن مجید کے اردو تراجم کی ابتداء اور اس کا ارتقائی جائزہ لے کر یہ بتایا گیا ہے کہ دسویں صدی ہجری یعنی کم و بیش چار سو سال پہلے سے اردو میں قرآن کریم کے تراجم کا سلسلہ شروع ہو گیا تھا اور اسی صدی کے اواخر میں تفسیری حاشیہ نگاری بھی شروع ہو گئی تھی، اگرچہ یہ دونوں کام مکمل اور بالاستیعاب نہیں تھے اور زبان بھی ابتدائی عہد کی تھی پھر بھی کام ہوا اور اسی عہد کی ضرورت کو کچھ نہ کچھ پورا کیا گیا۔ جن کے کئی مخطوطے (قلمی نسخے) مختلف کتب خانوں اور لائبریریوں میں محفوظ ہیں، جبکہ لفظی اور بامحاورہ اردو میں مکمل ترجمہ قرآن شاہ رفیع الدین اور شاہ عبدالقادر دہلوی کے ہیں یعنی دونوں کے مکمل تراجم کا سہرا دونوں بھائیوں کے سر ہے۔ نیز اس باب میں تفہیم قرآن کے ارتقاء پر بھی روشنی ڈالی گئی ہے اور ساتھ ہی انیسویں صدی کے مکمل اور مطبوعہ تراجم قرآن کا مختصر اشاریہ بھی دیا گیا ہے، جس سے معلوم ہوتا ہے کہ 1829ء سے 1900ء تک اردو زبان میں 34 مکمل تراجم قرآن طبع ہو کر منظر عام پر آئے۔ اس کے بعد بیسویں صدی یعنی 1901ء تا 1983ء تک قرآن مجید کے وہ اردو تراجم جو کہ غیر مطبوعہ اور مکمل ہیں ان کا اشاریہ دیا گیا ہے جس سے معلوم ہوتا ہے کہ گذشتہ صدی میں 753 تراجم قرآن طبع ہو کر منظر عام پر آئے ان میں 34 تراجم تو مع ضخیم تفاسیر و حواشی کے ہیں صرف نو عدد محض تراجم ہیں۔ نیز کچھ تفسیری تراجم کی بھی نشاندہی کی گئی ہے۔ واضح رہے کہ 1983ء کے بعد کے تراجم اس میں شامل نہیں کیے گئے، اسی طرح انیسویں اور بیسویں صدی کے غیر مطبوعہ تراجم کا بھی ذکر نہیں کیا گیا۔

تیسرے باب میں آٹھ منتخب اردو تراجم کے ترجمہ نگاروں کی حیات کا تعارف اس طرح کرایا گیا ہے کہ ان کا خاندانی پس منظر، ولادت، تحصیل علم، پھر علمی، تدریسی، تحریکی، تقریری و تصنیفی کاوشوں اور کارناموں کا مکمل احاطہ کیا گیا ہے، اس سلسلے میں کم و بیش 91 صفحات وقف کیے گئے ہیں۔

• چوتھے باب میں منتخب آیات کے ترجمہ کے تقابلی جائزے سے پہلے اس حقیقت کا اظہار کر دیا

گیا ہے کہ قرآن مجید کی الہامی و معجزاتی زبان کا کسی بھی زبان میں من و عن ترجمہ کرنا اگر مشکل نہیں تو آسان بھی نہیں ہے اور کوئی بھی مترجم ہزار بار زبان و بیان پر قدرت رکھنے اور سعی و جہد کے باوجود اس پر قادر نہیں ہو سکا، بایں ہمہ مترجمین نے حسب استطاعت اپنے اپنے فہم و ادراک اور علمی وسعت کے مطابق قرآنی الفاظ کے معنی و مفہوم کو اپنی اپنی زبانوں میں منتقل کرنے کی جو سعی بسیار کی ہے وہ لائق تحسین ہے۔

محقق کے اس اظہار حقیقت کے بعد یہ امر عیاں ہو گیا کہ منتخب اردو تراجم کے مترجمین کی کاوشوں کو سراہا گیا ہے اور ان کے تراجم کو زبان و بیان، مروج گرامر، مرادات، محذوفات، ماقبل و مابعد سے رابطہ، ادبیات عالی اور لغت و اصطلاح کی کسوٹی پر پرکھا گیا ہے پھر جو ترجمہ کسی بھی زاویہ سے الفاظ قرآن کی روح کے مطابق ٹھہرا، اسے ماہر صراف کی طرح آب زر سے مزید چمکا دیا یعنی سونے پر سہاگہ کر دیا ہے کیونکہ محقق کا اصل مقصود کسی ترجمہ کو نہیں بلکہ قرآن مجید کے مفہوم و معنویت کو اجاگر کرنا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ دوسرے تراجم کی بھی تنقیص و تغلیط نہیں کی اور نہ ہی کسی مترجم کی تحقیر کی ہے بلکہ ایسے بعض تراجم اور ان کی زبان و بیان کو ان کے عہد کے رائج الوقت ادب کی ترجمانی قرار دے کر بھی تحسین فرمائی ہے، جیسے سورۃ النباء کی ابتدائی تین آیتوں کے آٹھوں ترجمہ نگاروں کے تراجم نقل کرنے کے بعد محقق نے تقابلی جائزہ میں لکھا ہے کہ مولانا ثناء اللہ امرتسری، مولانا احمد رضا خان بریلوی، مولانا محمود الحسن دیوبندی، مولانا عبدالماجد دریابادی اور مولانا امین احسن اصلاحی نے دوسری آیت کا ترجمہ سادہ خبریہ اسلوب کے تحت کیا ہے جب کہ مولانا مضبور نے تیسری آیت کا ترجمہ سادہ خبریہ اسلوب سے کیا ہے لیکن مولانا ابوالاعلیٰ مودودی اور پیر محمد کرم شاہ ازہری نے استفہامیہ اسلوب کے تحت ترجمہ کیا ہے پھر توجیہ میں مؤخر الذکر سید ابوالاعلیٰ مودودی اور پیر محمد کرم شاہ ازہری کے ترجمہ کی تحسین کرتے ہیں کہ مضمون میں زور اور شدت پیدا کرنے کیلیے خبریہ اسلوب کے مقابلے میں استفہامیہ اسلوب زیادہ بہتر ہوتا ہے، مطلب یہ کہ اگر مؤخر الذکر ترجموں کی تحسین کی گئی ہے تو باقی چھ تراجم کی تغلیط نہیں کی گئی ہے بلکہ سادہ خبریہ اسلوب کو بھی اپنی جگہ درست تسلیم کیا گیا ہے۔

اسی طرح سورۃ النباء کی آیت 4 اور 5 کے آٹھوں منتخب تراجم نقل کرنے کے بعد لفظ ''کلا'' پر نحوی بحث کر کے یہ واضح کیا ہے کہ لفظ ''کلا'' کب ردع، زجر اور نفی کے معنی میں استعمال ہوتا ہے اور کب یہ کسی کلام کو مستر د کرنے کیلیے بطور اسم استعمال ہوتا ہے۔ پھر بطور توجیہ بیان کرتے ہیں کہ مذکورہ نحوی بحث کے بعد مناسب یہ ہے کہ ''کلا'' کا معنی ہرگز نہیں / ایسا نہیں یعنی نفی میں کرنے کے بجائے اثبات میں

کیا جائے جیسا کہ مولانا احمد رضا بریلوی، پیر محمد کرم شاہ الازہری اور مولانا ابو منصور نے کیا ہے۔ نیز یعلمون کا مفعول صرف پیر محمد کرم شاہ الازہری اور عبدالماجد دریابادی نے متعین کیا ہے، جب کہ پیر محمد کرم شاہ نے تو بھرپور معنویت پیدا کرنے کے لیے یعلمون کے محذوف کی بھی عقدہ کشائی کر دی ہے۔ اس طرح انہوں نے اپنے ترجمہ میں سارے حسن سمو لیے ہیں۔ چنانچہ محقق نے یہاں بھی اگر پیر محمد کرم شاہ اور عبدالماجد دریابادی کے ترجموں کی تحسین کی ہے تو دیگر تراجم کی اہمیت سے بھی انکار نہیں کیا۔ بایں ہمہ معلوم یہ ہوا کہ محقق کی نظر ترجمہ کے لفظی حسن پر نہیں بلکہ ان کا نقطہ نظر یہ ہے کہ کون سا ترجمہ الفاظ قرآنیہ کا حقیقی عکس لیے ہوئے ہے۔ چنانچہ یہاں بھی اصل مقصود قرآن کی معنوی عظمت کو بلند کرنا ہے۔

اسی سورۃ النبا کی آیات 6 تا 17 کے آٹھوں تراجم نقل کرنے کے بعد محقق نے تجزیہ کر کے پہلے تو یہ منقح کیا ہے کہ تیسری آیت میں اسلوب کلام باعتبار الفاظ اگرچہ خبریہ ہو گیا ہے لیکن باعتبار معنی یہ پہلی آیت پر معطوف ہے جیسا کہ سورۃ الم نشرح کا اسلوب ہے یعنی آیت نمبر 2 ووضعنا عنک وزرک لفظاً سادہ خبریہ اسلوب کے تحت ہے لیکن معناً استفہامیہ اسلوب کے تحت ہے۔ اس حوالے سے ان آٹھوں تراجم میں صرف امین احسن اصلاحی کا ترجمہ استفہامیہ انشائیہ اسلوب پر کیا گیا ہے جو کہ زیادہ موثر اور دلنشین ہے مگر دیگر تراجم جو خبریہ اسلوب پر کیے گئے ہیں ان کی افادیت سے بھی صرف نظر نہیں کیا گیا۔

اسی طرح اسی سورۃ کی آیت "وبنینا فوقکم سبعا شدادا ○" کے آٹھوں تراجم کو تحقیق و تجزیہ کی کسوٹی پر پرکھنے کے بعد محقق نے مولانا احمد رضا بریلوی، مولانا محمود الحسن دیوبندی اور مولانا ابو منصور کے لفظ آسمان کے اضافے کے بغیر ترجموں کو خوب تر قرار دیا ہے اور پھر ان تینوں ترجموں پر قائم ہونے والے ایک اعتراض کا جواب بھی دے دیا ہے کہ بعض ماہرین کے حساب کے مطابق اطراف زمین میں پائے جانے والے خطِ ہوا کی استقامت، جو ایک سو کلومیٹر سے بھی زیادہ ضخیم ہے وہ ایک پولادین کی چھت کی دس میٹر کی ضخامت کے برابر ہے اور سبعا شدادا کی یہ ایک تفسیر ہے۔ مطلب یہ کہ تینوں مترجمین نے جو بغیر لفظ آسمان کے اضافہ کے ترجمہ کیا ہے تو وہ اس لیے اصح ہے کہ آسمان سبعا شدادا کی تفسیر میں موجود ہے، البتہ دیگر پانچ مترجمین نے لفظ آسمان کے اضافے سے جو ترجمہ کیا ہے وہ ترجمہ در ترجمہ ہے یعنی یہ تراجم بھی تفسیری ترجمہ ہوتے ہوئے لائق التفات ہے۔

سورۃ التکویر کی آیت ۱۵ تا ۱۸ کے آٹھوں ترجمے نقل کرنے کے بعد محقق نے اپنے تجزیے میں یہ نشاندہی کی ہے کہ مولانا احمد رضا بریلوی اور مولانا محمود الحسن دیوبندی کے ترجموں میں ستاروں اور

سیاروں کے عدم ذکر کے حوالے سے ایک قدر مشترک ہے جب کہ ان دونوں حضرات کے لفظ عسعس کے ترجمہ میں تاویل ممکن ہے جس کی رو سے مولانا احمد رضا بریلوی کا ترجمہ لائق ترجیح ہے۔ اسی طرح مولانا امین احسن اصلاحی اور سید ابوالاعلیٰ مودودی کے ترجمہ میں بھی ایک قدر مشترک کی نشاندہی کی گئی ہے کہ انہوں نے لفظ "فلا" کا ترجمہ بس نہیں کیا ہے جب کہ قسم سے پہلے اگر "لا" اور "فلا" جس طرح یہاں آیا ہے وہ قسم کی نفی کے لیے نہیں بلکہ مخاطب کے مصنوعی کی نفی کے لیے آتا ہے اور اس سے مقصود اس کی تردید ہوتی ہے۔ چنانچہ اس مقام پر سید ابوالاعلیٰ مودودی اور امین احسن اصلاحی کے ترجمے نمایاں ہیں۔ نیز انہی آیات کے ترجمہ میں عبدالماجد دریابادی کی انفرادیت کو بھی نمایاں کیا ہے کہ موصوف نے اقسم اور واللیل کی واؤ قسمیہ کے حوالے سے لفظ قسم کا دو مرتبہ استعمال کیا ہے اور ایسا کرنا قرآن کے لفظی پہلو کی نمائندگی کے عین مطابق ہے۔ مطلب یہ کہ محقق نے اپنی تحقیق کو کسی ایک پلڑے میں مقید نہیں کیا بلکہ قرآن کی معنویت کو آشکارا کر کے اپنے نظریہ کے مطابق جس ترجمہ میں جس زاویہ سے حسن نظر آیا ہے اس حسن کو اجاگر کیا ہے مگر اسی نقطہ نظر سے دوسرے ترجمہ کو قلم کی زد میں لانے کے بجائے دوسرے زاویے سے اس کی اہمیت و رفعت کو تمیز کیا ہے یعنی جو ترجمہ جس زاویہ و پہلو سے منفرد تھا اسے اسی پہلو سے منفرد قرار دیا ہے۔

اسی طرح سورۃ المطففین کی آیت 28،27 کے آٹھوں تراجم نقل کرنے کے بعد محقق نے اپنے تجزیہ میں امین احسن اصلاحی اور مولانا ثناء اللہ امرتسری کے ترجموں میں یکسانیت کی نشاندہی کی ہے کہ ان دونوں نے لفظ "بہا" میں ب کو ظرف کے معنی میں لیا ہے جب کہ دیگر چھ مترجمین نے ب کا معنی "سے" کیا ہے۔ پھر بطور نتیجہ بتاتے ہیں کہ دونوں طرح کے ترجمے اگرچہ درست ہیں مگر یہ بات محقق ہے کہ ظرفیت کے لیے ب کا استعمال از روئے قواعد عربیہ بہت معروف ہے۔ پھر جن مترجمین نے ب کا معنی "سے" کیا ہے ان پر امین احسن اصلاحی کے اعتراض کو مسترد کرتے ہوئے محقق نے واضح کیا ہے کہ ہمارے نزدیک صحت ترجمہ کی رو سے دونوں طرح کے تراجم درست ہیں یعنی محقق نے اگر دو تراجم میں موجود وجوہ سے حسن کو ترجیح دی ہے تو دیگر تراجم کے حسن صحت کا بھی اقرار کیا ہے، یہی ایک کھرے محقق کی شناخت ہے کہ وہ اپنا وزن کسی ایک پلڑے میں نہیں ڈالتا۔

سورۃ الانشقاق کی آیت 16 کے آٹھوں تراجم نقل کرنے کے بعد محقق نے اپنے مختصر مگر جامع تحقیقی تجزیہ کے پیش نظر یہ خیال ظاہر کیا ہے کہ مولانا سید ابوالاعلیٰ مودودی اور مولانا امین احسن اصلاحی نے اپنے ترجموں کا آغاز "پس نہیں" سے جو کیا ہے تو انہوں نے اس اسلوب میں بلاغت کا خیال رکھا یعنی ان

دونوں ترجموں میں "کلا" کی معنویت وافادیت کا بھرپور عکس موجود ہے جب کہ دوسرے پہلو سے مولانا احمد رضا بریلوی، مولانا ثناء اللہ امرتسری اور مولانا محمود الحسن دیوبندی کے تراجم میں لفظ "شفق" کا ترجمہ کرنے کی ایک ہی قدر مشترک کی نشاندہی کی گئی ہے یعنی ان تینوں حضرات کے قرآنی الفاظ کے مناسب الفاظ میں ترجمہ کرنے کو سراہا گیا ہے۔

سورۃ البروج کی آیات 4 تا 8 کے آٹھوں منتخب تراجم نقل کرنے کے بعد محقق نے کئی زاویوں سے خاص طور پر حرف "اذ" کے حوالے سے جامع تجزیہ کرنے کے بعد مولانا امین احسن اصلاحی کے ترجمہ کو باقی تراجم کے مقابلے میں قرآنی مدعا کے قریب تر قرار دیا ہے کیونکہ صرف اصلاحی صاحب نے ہی مذکورہ آیات کا ترجمہ مستقبل کے اسلوب سے کیا ہے جو کہ قرآن کے مقصدی پہلو سے بھرپور نظر آتا ہے جب کہ دیگر مترجمین نے مذکورہ آیات کا ترجمہ ماضی میں کرکے اس واقعہ کو گذشتہ زمانے کا ایک حصہ بنادیا ہے۔

اسی طرح مذکورہ سورۃ البروج کی آیت 15 کے آٹھوں تراجم نقل کرنے کے بعد محقق نے لفظ "المجید" کا باعتبار لغت جائزہ لے کر "المجید" کو مشہور قرأت کے مطابق مرفوع ہونے کی بناء پر اوصاف الٰہی سے گردانا ہے۔ اس لحاظ سے عبدالماجد دریابادی، سید ابوالاعلیٰ مودودی، پیر محمد کرم شاہ ازہری، مولانا محمود الحسن دیوبندی اور مولانا ثناء اللہ امرتسری کے تراجم کو از روئے قواعد وقرأت مشہورہ زیادہ مناسب قرار دیا ہے، کیونکہ "المجید" عرش کی صفت اس وقت ہوگا جب اسے مکسور پڑھا جائے، بصورت مرفوع یا اوصاف الٰہی سے ہوگا، اس لیے مذکورہ پانچوں تراجم معروف قواعد کے عین مطابق ہیں۔

سورۂ فجر کی آیت 14 کے آٹھوں تراجم نقل کرنے کے بعد محقق نے ترجمہ میں استعمال کیے گئے الفاظ کا باعتبار ادب اور لفظ "مرصاد" کا باعتبار صرف ولغت جائزہ لے کر مولانا احمد رضا خان بریلوی کے ترجمہ کو ہمہ رنگ وجہت معنویت سے لبریز ترجمہ قرار دیا ہے۔

بعد ازاں پانچویں باب میں باعتبار لغت اور کچھ دیگر ضمنی پہلوؤں سے بھی ان منتخب اردو تراجم کا تقابلی جائزہ لیا گیا ہے۔ محقق نے حسب روایت سابقہ اپنے تجزیہ وتحقیق میں کچھ تراجم کی باعتبار قواعد لغت وادب انفرادیت کو نمایاں کیا ہے مگر یہاں بھی دوسرے تراجم کے حسن سے آنکھیں نہیں موند لیں جیسا کہ سورۃ الاعلیٰ کی آیت 6 کے آٹھوں تراجم نقل کرکے پھر ان کا تقابلی تجزیہ کرکے لکھتے ہیں کہ سات مترجمین نے لفظ "سنقرئک" کا ترجمہ پڑھانے سے کیا ہے جو کہ قواعد عربیہ کی رو سے صحیح ہے کیونکہ اس میں حرف خطاب "ک" مفعول بہ ہے اور یہاں مفعول بھی ایک ہی بیان ہوا ہے، اس لیے

اس کا ترجمہ پڑھانے سے کرنا بہتر ہے۔

پھر کہتے ہیں کہ مولانا سید مودودی کا ترجمہ پڑھوانے سے کرنا اگرچہ قواعد عربیہ کے خلاف ہے لیکن اسے غلط اس لیے قرار نہیں دیا جاسکتا کہ عام تفاسیر کے مطابق حضور اکرم ﷺ کو بواسطہ جبرائیل امین علم دیا گیا ہے اور اس کی دلیل یہ آیت ہے "علمہ شدید القوی" یہاں شدید القوی سے مراد حضرت جبرائیل علیہ السلام کو لیا گیا ہے، اس لیے سید مودودی نے ترجمہ پڑھوانے سے کیا ہے جب کہ دیگر حضرات نے حسن بصری کتب کے تتبع میں شدید القوی کو اوصاف الٰہی میں شمار کیا ہے، اس لیے ترجمہ پڑھانے سے کیا ہے۔ علاوہ ازیں اپنے تجزیہ میں مزید کہتے ہیں کہ بقیہ ساتوں تراجم اگرچہ از روئے قواعد بالکل صحیح ہیں لیکن از روئے ادب پیر محمد کرم شاہ اور عبدالماجد دریابادی کے تراجم زیادہ موزوں ومنفرد ہیں، کیونکہ ان دونوں حضرات نے حضور ﷺ کے لیے تو، تجھ، تجھے، تم، تمہیں جیسے الفاظ استعمال کرنے کے بجائے لفظ آپ استعمال کیا ہے۔ غرض کہ محقق نے یہاں بھی قرآن کی معنوی مقصدیت کو اجاگر کرنے والے تراجم کی تحسین کی ہے مگر کسی مترجم یا اس کے ترجمہ کی تغلیط وتحقیر نہیں کی ہے، اسے باالفاظ دیگر یوں کہا جاسکتا ہے کہ محقق اپنے نقطہ نظر سے کہیں ہٹا ہوا نظر نہیں آتا۔

سورۃ الفجر کی آیت 22 کے آٹھوں تراجم نقل کرنے کے بعد محقق نے بہت ہی جامع تجزیہ کیا ہے۔ اس باب میں چونکہ قرآن کی جامعیت کو واضح کرنے کے لیے اردو تراجم میں لغوی محاسن کا تقابلی جائزہ لیا گیا ہے، اس لیے الفاظ ترجمہ پر نظر عمیق سے توجہ ڈالی گئی ہے۔ چنانچہ محقق اپنے تجزیہ کے بعد بتاتے ہیں کہ مولانا ابومنصور، مولانا امین احسن اصلاحی، مولانا عبدالماجد دریابادی اور مولانا محمود الحسن دیوبندی نے لفظ "جاء" کا ترجمہ رب کے آنے یا نمودار ہونے سے کیا ہے جب کہ مولانا ابوالاعلیٰ مودودی اور پیر محمد کرم شاہ ازہری نے "جاء" کا معنی رب کے جلوہ فرمانے سے کیا ہے، اگرچہ ظاہر الفاظ میں رب تعالیٰ کے آنے کا ذکر ہے مگر امر واقعہ یہ ہے کہ رب تعالیٰ آنے جانے سے قطعاً پاک ہے البتہ اس کے جلوہ فرمانے میں کسی کو کلام نہیں اور اس کے شواہد قرآن میں موجود ہیں۔ اس حوالے سے مولانا سید مودودی اور مولانا پیر محمد کرم شاہ ازہری کے ترجموں میں لغوی معنویت ہے لیکن دوسرے پہلو سے کہ یہاں مضاف محذوف ہے اور امام فخر الدین رازی نے اس آیت میں چار محذوف ذکر کیے ہیں جن میں سے لفظ "امر" کو اکثر مفسرین نے تقدیر آیت کے طور پر بیان کیا ہے لہٰذا مضاف محذوف لفظ "امر" کے پہلو سے مولانا احمد رضا خان بریلوی اور مولانا ثناء اللہ امرتسری نے جو ترجمہ کیا ہے وہ بالکل صحیح اور برمحل ہے اگر تیسرے یعنی ادب کے پہلو سے دیکھا جائے تو پیر محمد کرم شاہ ازہری اور عبدالماجد دریابادی کے ترجموں

میں ادب واحترام کی رمق موجود ہے کہ ان دونوں حضرات نے حضور ﷺ کے لیے تیرا، تیرے، تمہارا، تمہارے کے بجائے لفظ آپ کا استعمال کیا ہے۔ مطلب یہ کہ محقق نے یہاں بھی ترجمہ یا مترجم کے بجائے قرآن کی جامعیت کو اجاگر کیا ہے۔

سورۃ البلد کی آیت ایک اور دو کے آٹھوں تراجم نقل کرنے کے بعد محقق نے پہلے تو "لا اقسم" کے حرف لا پر بحث کی ہے، پھر لا منفصل اور لا زائدہ کے معنی ومفہوم کا تقابلی تجزیہ پیش کر کے کہتے ہیں کہ اس پہلو سے کسی ایک ترجمہ کو راجح قرار دینا یقیناً امر دشوار ہے کیونکہ اگر قسم سے پہلے "لا" کا منفصل آنا عربی کا معروف اسلوب ہے تو اگر "لا" زائدہ بھی ہو تو پھر بھی معنی وہی ہوں گے۔ نیز محقق نے یہ نشاندہی بھی کی ہے کہ سوائے مولانا امین احسن اصلاحی کے باقی جملہ مترجمین نے "وانت" کا مخاطب حضور اکرم ﷺ کی ذات گرامی کو قرار دیا ہے۔ اگرچہ مدعا میں کچھ فرق نہیں، لیکن امین احسن اصلاحی کے ترجمہ میں لفظ تم کا استعمال بچتا نہیں ہے۔ اسی طرح حضور ﷺ کے لیے جن مترجمین نے لفظ تم، تو، تجھ استعمال کیے ہیں ان کے مقابلے میں پیر محمد کرم شاہ ازہری اور مولانا عبدالماجد دریابادی کے ترجمے زیادہ بہتر ہیں کہ انہوں نے حضور ﷺ کے لیے لفظ آپ استعمال کیا ہے۔ مزید تجزیہ میں یہ بھی بتا دیا ہے کہ آیت نمبر 2 کے ترجموں میں مترجمین کافی حد تک الگ الگ ہیں لیکن کسی بھی ترجمہ کو غلط یا راجح قرار نہیں دیا جا سکتا کیونکہ ہر ترجمہ قرآن کی بلاغت کے عین تتبع میں ہے۔

سورۃ الشمس کی آیات 5,6,7 کے جملہ منتخب تراجم نقل کر کے محقق نے اپنے تقابلی تجزیہ میں ایک نتیجہ تو یہ نکالا ہے کہ مولانا احمد رضا بریلوی، مولانا سید مودودی، مولانا ثناء اللہ امرتسری، مولانا ابو منصور، مولانا عبدالماجد دریابادی اور پیر محمد کرم شاہ ازہری نے مذکورہ آیات کے ترجمے ما موصولہ کے اسلوب سے کیے ہیں جب کہ مولانا محمود الحسن دیوبندی اور مولانا امین احسن اصلاحی نے ما مصدریہ کے تحت ترجمہ کیے ہیں۔ علاوہ ازیں محقق نے ما مصدریہ، ما موصولہ، ما بمعنی الذی اور من پر تفصیلی غور وفکر کے بعد یہ نتیجہ اخذ کیا ہے کہ عربی لغت میں "ما" عام طور پر غیر ذوی العقول کے لیے آتا ہے۔ اس لیے اللہ تعالیٰ پر اس کا اطلاق کسی طرح درست نہیں ہے، اس لحاظ سے ما موصولہ کے مقابلے میں ما مصدریہ کے اسلوب کے تحت کیے گئے ترجمے علماء تحقیق کی مطاوعت میں ہیں لہٰذا مولانا محمود الحسن دیوبندی اور مولانا اصلاحی کے ترجمے قرآن کی مقصدی معنویت کے عین مطابق ہیں بایں ہمہ مولانا محمود الحسن دیوبندی نے اگرچہ "ما" کو مصدریہ کے تحت اردو میں سمویا ہے مگر ترجمہ بطور قسم کے کیا ہے جب کہ مولانا اصلاحی نے دعوت فکر وتحقیق اور شہادت وگواہی کے پہلو سے ترجمہ کیا ہے لہٰذا اس حوالے سے امین احسن اصلاحی کے

ترجمہ کا حسن نمایاں ہے۔

اسی سورۃ الشمس کی آیت "فعقروھا" کے تمام منتخب تراجم نقل کر کے محقق نے پہلے لفظ "عقر" کے معنی کو لغات القرآن کے حوالے سے منقح ومبرہن کیا ہے، پھر اسی حوالے سے بطور نتیجہ مولانا سید مودودی اور مولانا عبدالماجد دریابادی کے ترجموں کو بھرپور معنویت کا حامل قرار دیا ہے کیونکہ ان دونوں حضرات نے سادہ اور مختصر الفاظ میں قرآنی مفہوم کو اپنے کامل معنی میں منتقل کرنے کی کوشش کی ہے۔

سورۃ اللیل کی آیات 1,2,3 کے جملہ منتخب تراجم نقل کر کے محقق نے اپنے تجزیہ میں واضح کیا ہے کہ یہاں بھی مولانا محمود الحسن دیوبندی اور مولانا امین احسن اصلاحی نے ما مصدریہ کے تحت ترجمہ کیا ہے جب کہ دیگر مترجمین نے ما موصولہ کے اسلوب میں ترجمہ کیا ہے اگرچہ پیر محمد کرم شاہ ازہری نے تفسیر تو ما مصدریہ کے تحت کی ہے مگر ترجمہ ما موصولہ کے تحت کیا ہے۔ نیز لفظ قسم اور لفظ شاہد سے کیے گئے ترجموں میں مولانا اصلاحی کے ترجمہ کو اہمیت دی جائے گی گویا محقق نے یہاں مولانا محمود الحسن دیوبندی اور مولانا امین احسن اصلاحی کے ترجموں کو بہتر قرار دیا ہے۔ پھر شہادت وگواہی کے الفاظ سے کیے گئے ترجمہ کے حوالے سے مولانا اصلاحی کے ترجمہ کو بہتر اور وزن دار تسلیم کیا گیا ہے۔

اسی سورۃ اللیل کی آیت 19 کے آٹھوں تراجم نقل کر کے محقق نے اپنے تفصیلی اور جامع تجزیہ میں پہلے تو یہ تسلیم کیا ہے کہ مذکورہ اسلوب کے تحت کیے گئے کسی بھی ترجمہ کو مرجوح قرار نہیں دیا جا سکتا۔ پھر اس اسلوب ترجمہ پر خود ہی ایک اعتراض قائم کر کے بطور نتیجہ بتاتے ہیں کہ امین احسن اصلاحی کا ترجمہ نہ صرف بہتر ہے بلکہ اس میں مقصود قرآن بھی نمایاں ہے۔ نیز محقق اپنے تجزیہ کے بعد بطور نتیجہ یہ بھی بیان کرتے ہیں کہ مولانا ثناء اللہ امرتسری نے "عندہ" کی "ہ" ضمیر کو اللہ تعالیٰ کی طرف لوٹایا ہے اور اسی کے تحت ترجمہ کیا ہے جب کہ دیگر مترجمین نے ہ ضمیر کا مرجع "الاتقی" کو بنایا ہے اور اسی کے تحت ترجمہ کیا ہے۔ مولانا امرتسری کا ترجمہ اگرچہ درست ہے لیکن اتنا جامع نہیں ہے کیونکہ قرینہ یہ بتا رہا ہے کہ یہاں ہ ضمیر انسانوں کی طرف راجع ہے جیسا کہ امین احسن اصلاحی نے کی ہے لہٰذا محقق کے نزدیک معنویت اور مقصدیت سے بھرپور ترجمہ امین احسن اصلاحی کا ہے۔

بعد ازاں سورۃ الضحیٰ کی ابتدائی تینوں آیات کے جملہ منتخب تراجم نقل کر کے محقق نے اپنے تجزیہ میں پہلے تو واؤ قسمیہ پر بحث کی ہے اور اس بحث میں ایک پہلو سے یہ بتایا ہے کہ واؤ قسمیہ کا ترجمہ قسم سے بھی صحیح ہے اور لفظ شاہد سے بھی صحیح ہے مگر جو دعوت فکر وتحقیق اور مضمون میں زور لفظ شہادت سے

پیدا ہوتا ہے وہ لفظ قسم سے ترجمہ کرنے میں ظاہر نہیں ہوتا۔ پھر لفظ قسم کا معنی باعتبار لغت دلیل وشہادت ثابت کرکے محقق نے خیال ظاہر کیا ہے کہ واؤ قسمیہ کا مضمون اردو کے ترجمہ میں لفظ شاہد سے ادا کرنا انتہائی بلیغ ہے، اس لحاظ سے مولانا امین احسن اصلاحی کا ترجمہ قرآن کے مقصدی پہلو کو اجاگر کرتا ہے۔۔۔۔ اسی طرح تیسری آیت کے لفظ "وَدَّعَکَ" کے ترجمہ میں استعمال کیے گئے اردو الفاظ کا جائزہ لے کر بتاتے ہیں کہ دست بردار ہونے، رخصت کرنے، چھوڑنے اور وداع کرنے جیسے الفاظ اس لفظ ودعک کے تحت اللفظ معنی میں باعتبار لغت استعمال ہو سکتے ہیں مگر مولانا ابو منصور کے الفاظ "دست بردار ہوتے" زیادہ قرین ادب دکھائی دیتے ہیں۔۔۔۔ اسی طرح لفظ "قلی" کے جو معنی "ناراض ہونے، بیزار ہوتے، خفا ہونے اور مکروہ جاننے سے کیے گئے ہیں ان میں خفا ہونے اور ناراض ہونے کے مقابلہ میں بیزار ہونے اور مکروہ جاننے کے الفاظ ہماری اردو زبان میں بہت ہی برے اور قبیح جانے جاتے ہیں، پھر بیزار ہونے کے مقابلے میں مکروہ جاننے کو زیادہ سنگین اور سخت سمجھا جاتا ہے، لہٰذا حضور ﷺ سے اس لفظ کی نسبت غیر مناسب ہے۔ مزید یہ کہ ہماری زبان میں لفظ "آپ" کا استعمال قرین ادب ہے۔ اس پہلو سے مولانا عبدالماجد دریابادی اور پیر محمد کرم شاہ کے ترجمے زیادہ بہتر ہیں کہ انہوں نے حضور اکرم ﷺ کے لیے لفظ آپ استعمال کیا ہے۔

سورۃ التین کی آیت نمبر 5 کے تحت تمام منتخب تراجم نقل کرکے محقق نے سب سے پہلے تو لفظ "اسفل" اور "رددناہ" کا نحوی جائزہ لیا ہے اور اس میں بتایا ہے کہ نحوی اعتبار سے امین احسن اصلاحی کا ترجمہ معارف سے پُر ہے۔ جس میں مقتضائے قرآن کو ملحوظ رکھ کر عقیدۂ جبر وقدر کی جڑ بنیاد سے ہی کاٹ دی ہے۔ بعد ازاں محقق نے "رددناہ" کے مختلف مفاہیم کے لیے مختلف آیات سے شہادتیں پیش کرکے جملہ کی ترکیب کا تفصیلی تجزیہ کرنے کے بعد بتایا ہے کہ مضاف، مضاف الیہ کی ترکیب یہاں خلاف عربیت ہے کیونکہ جب افعل کی اضافت نکرہ کی طرف ہو تو ضروری ہے کہ مضاف الیہ واحد ہو۔ یہاں "سافل" چاہے ظرف ہو یا حال ہو، لیکن سافلین بھی ایک مستقل حال ہے، اس لیے سافلین جمع ہونے کے باوجود نکرہ آیا ہے۔۔۔ اسی طرح "رددناہ" میں ضمیر تو واحد ہے مگر حال کو بلحاظ معنی جمع لائے ہیں کیونکہ آیت میں انسان سے مراد نوع انسان ہے۔ اس طرح محقق نے اس آیت کے حوالے سے امین احسن اصلاحی کے ترجمہ کی تحسین کی ہے۔

سورۃ البینۃ کی آیت 1 کے آٹھوں تراجم نقل کرنے کے بعد محقق اپنے تفصیلی تجزیہ کے بعد بتاتے ہیں کہ مولانا امین احسن اصلاحی، مولانا سید مودودی، پیر محمد کرم شاہ ازہری، مولانا ثناء اللہ امرتسری،

عبدالماجد دریابادی اور مولانا ابو منصور نے "من اھل الکتاب" کا ترجمہ مِن تبعیضیہ سے کیا ہے جبکہ مولانا احمد رضا بریلوی اور مولانا محمود الحسن دیوبندی نے اس کا ترجمہ مِن بیانیہ سے کیا ہے، پھر تعجب کا اظہار کرتے ہوئے کہتے ہیں کہ مولانا سید مودودی اس آیت کی تفسیر تو مِن بیانیہ سے کرتے ہیں مگر ترجمہ اس کے خلاف مِن تبعیضیہ سے کرتے ہیں یعنی ان کا ترجمہ خود ان کی تفسیر کے خلاف ہے۔ علاوہ ازیں محقق اپنے تجزیہ میں مزید بتاتے ہیں کہ یہاں اگرچہ مِن تبعیضیہ اور مِن بیانیہ دونوں کی گنجائش ہے مگر لغات القرآن کے تتبع میں محقق کے نزدیک مِن تبعیضیہ کے اسلوب سے کیے گئے ترجمے زیادہ قریب صواب ہے۔

اسی طرح سورۃ العٰدیٰت کی آخری آیت کے جملہ تراجم نقل کرکے محقق اپنے تجزیہ میں واضح کرتے ہیں کہ مولانا امین احسن اصلاحی، مولانا سید مودودی، پیر محمد کرم شاہ ازہری، مولانا ثناء اللہ امرتسری، عبدالماجد دریابادی اور مولانا ابو منصور نے آیت مذکورہ کا ترجمہ زمانہ مستقبل کے اسلوب سے کیا ہے، جس سے یہ مترشح ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ کو شاید قیامت کے روز ہی اپنے بندوں کے حال سے آگاہی ہوگی۔ ان کے مقابلے میں مولانا محمود الحسن دیوبندی اور مولانا احمد رضا بریلوی کا ترجمہ زمانہ حال کے اسلوب کے تحت ہے جس سے معلوم ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ آج بھی اپنے بندوں کے احوال سے مکمل واقف ہے اور آئندہ بھی رہے گا۔ اس لحاظ سے زمانہ مستقبل کے اسلوب سے کیے گئے ترجمہ کے مقابلے میں محمود الحسن اور مولانا احمد رضا کے ترجمے راجح اور عقیدۂ اسلامی کے عین مطابق ہیں۔

بعد ازاں چھٹے باب میں مذکورہ جملہ منتخب تراجم کا بلحاظ ادبیت تقابلی جائزہ لیا گیا ہے کہ کون سا ترجمہ اردو زبان کی موزونیت، شائستگی وشستگی اور فصاحت کا مرقع ہونے کے ساتھ ساتھ قرآن مجید کی روح اور مقصدیت کا آئینہ دار ہے۔ نیز محقق کو اگر تجزیہ میں کسی اور پہلو سے کوئی ترجمہ منفرد نظر آیا ہے یا اس میں کوئی ندرت سامنے آئی ہے تو ایسے پہلوؤں کو متفرقات کا نام دیا ہے۔ محقق نے اگرچہ تراجم کا متعدد ذیلی پہلوؤں سے جائزہ لیا ہے لیکن طرزِ استدلال اور اسلوب بیان وہی برقرار رکھا ہے جو گذشتہ پانچ ابواب میں اختیار کیا ہے، مگر سابقہ ابواب کے مقابلے میں اس باب میں زیادہ تفصیل، تعمق اور تفحص سے کام لیا گیا ہے۔ جیسا کہ سورۃ الضحیٰ کی آیت 7 "ووجدک ضالا فھدی" کے آٹھوں تراجم نقل کرکے محقق سب سے پہلے آیت مذکورہ کے سیاق وسباق کے پہلو سے اس کا تفصیلی جائزہ لیتے ہوئے بیان کرتے ہیں کہ اس آیت میں لفظ "فھدی" کا حق بطور نعت کے اس وقت ادا ہو سکتا ہے، جب "ضالا" کا معنی ایسا کیا جائے جس میں حضور ﷺ کی کسی ضرورت یا طلب کا اظہار ہو۔ مذکورہ جملہ منتخب مترجمین نے

"ضالا" کا معنی اپنی اپنی پسند اور ذوق کے مطابق کیا ہے اور محقق کے خیال میں سیاق کلام کے تقاضا کے مطابق ان سب مترجمین کا مقصود بھی یہی ہے کہ "فھدی" کو بطور از دیاد نعمت کے لیا جائے۔ اس کے باوجود بعض مترجمین نے اپنے ترجمہ میں نامناسب الفاظ استعمال کیے ہیں جیسے بھٹکتا اور بھٹکا ہوا۔ ایسے الفاظ کی حضور اکرم ﷺ کی طرف نسبت کرنا قطعاً ناجائز اور مقام ادب کے خلاف ہے۔ اسی طرح ناواقف راہ اور بے خبر جیسے الفاظ بھی حضور علیہ السلام کے شایان شان نہیں ہیں البتہ "ضالا" کا معنی جو یائے راہ کرنے میں سیاق کلام کا تقاضا بھی پورا ہو گیا ہے اور اس میں حضور اکرم ﷺ کی تڑپ اور بے قراری کا اظہار بھی ہو یدا ہو گیا ہے۔ اس معنی سے "فھدی" کا صحیح محل "جویائے راہ" سے ہی سمجھ میں آسکتا ہے اور یہ ترجمہ امین احسن اصلاحی کا ہے۔

اسی مذکورہ آیت کے ضمن میں ایک اور ترجمہ کا تجزیہ کرتے ہوئے محقق اپنے زاویہ فکر کا اظہار یوں کرتے ہیں کہ مترجم نے اپنے ترجمہ میں دو مرتبہ لفظ اپنی استعمال کیا ہے اگر پہلی "اپنی" سے مراد حضور اکرم ﷺ کی اپنی ذات ہو اور دوسری اپنی سے مراد اللہ تعالیٰ کی ذات ہو تو پھر مفہوم یہ ہوگا کہ حضور اکرم ﷺ اعلان نبوت سے پہلے اپنی محبت میں کھوئے ہوئے تھے۔ پھر اللہ تعالیٰ نے اپنی طرف متوجہ کر لیا۔ اس تاویل کی روشنی میں آیت اپنے سیاق میں تو صحیح ہوگی مگر معنوی حسن و کمال سے خالی ہو جائے گی اور اگر دونوں "اپنی" سے مراد اللہ تعالیٰ کی ذات کو لیا جائے تو پھر اللہ تعالیٰ کا حضور اکرم ﷺ کو اپنی محبت میں وارفتہ پا کر اپنی طرف راہ دینا تحصیل حاصل ہے اور یہ از دیاد نعمت ہرگز نہیں ہو سکتی جب کہ آیت کا مضمون از دیاد نعمت کا متقاضی ہے۔ یہ ترجمہ مولانا احمد رضا خان بریلوی کا ہے۔

اسی طرح پیر محمد کرم شاہ نے لفظ "ضالا" کا معنی تو ویسا ہی کیا ہے جیسا مولانا احمد رضا بریلوی نے کیا ہے جب کہ "فھدی" کا ترجمہ پیر صاحب نے "تو منزل مقصود تک پہنچا دیا" کر کے قرآن کی معنویت و مقصدیت کی مطاوعت کی ہے۔ اس طرح پیر محمد کرم شاہ کا ترجمہ بہت ہی اعلیٰ اور حضور اکرم ﷺ کے شایان شان ہے۔ نیز محقق نے اپنے جائزہ میں یہ بھی نشاندہی کی ہے کہ مولانا امین احسن اصلاحی اور مولانا ابو منصور نے استفہامیہ اسلوب پر ترجمے کیے ہیں جب کہ دیگر مترجمین نے بیانیہ اسلوب پر ترجمے کیے ہیں۔ اس حوالے سے محقق نے یہ نتیجہ اخذ کیا ہے کہ ترجمے وہی اچھے ہیں جو استفہامیہ اسلوب پر کیے گئے ہیں۔

سورۃ الم نشرح کی ابتدائی چار آیتوں کے جملہ منتخب تراجم نقل کر کے محقق نے مختلف زاویوں سے ان کا جامع اور تفصیلی تجزیہ کر کے اپنی رائے اس طرح ظاہر کی ہے کہ مولانا ابو منصور اور مولانا امین

احسن اصلاحی نے "ووضعنا" اور "ورفعنا" کو آیت نمبر 1 پر عطف کر کے استفہامیہ نگاری کے اسلوب پر ترجمے کیے ہیں جب کہ دیگر مترجمین نے خبریہ اسلوب کے تحت ترجمہ کیا ہے اور یہ بات مسلم ہے کہ انشائیہ اسلوب سے ترجمہ کرنے میں کلام کا اصل زور واضح ہو جاتا ہے۔ دوم یہ کہ مولانا عبد الماجد دریابادی، مولانا سید مودودی اور پیر محمد کرم شاہ نے پہلی اور چوتھی آیت میں موجود لفظ "لک" کا معنی اپنے ترجموں میں سمو کر کاملیت کا رنگ بھر دیا ہے۔ جب کہ مولانا ابو منصور اور مولانا احمد رضا بریلوی نے فقط آیت نمبر 4 میں موجود "لک" کا معنی کیا ہے یعنی ان دونوں کے ہاں یہ رنگ جزوی ہے۔ سوم یہ کہ مترجمین "انقض ظھرک" کا ترجمہ جو (کمر یا پیٹھ توڑنے سے) کیا ہے، وہ محقق کے نزدیک حضور اکرم ﷺ کے شایان شان نہیں ہے، البتہ اس آیت نمبر 3 کا جو ترجمہ پیر محمد کرم شاہ نے کیا ہے وہ حضور اکرم ﷺ اور زبان دونوں کے ادب سے لبریز اور سرشار ترجمہ ہے۔ نیز پیر محمد کرم شاہ اور عبد الماجد دریابادی نے اپنے ترجموں میں حضور اکرم ﷺ کے لیے تمہارا، تمہارے، تیرا، تیرے کے بجائے لفظ آپ استعمال کیا ہے، خلاصہ یہ کہ خبریہ اسلوب پر کیے گئے ترجموں میں پیر محمد کرم شاہ کا ترجمہ سب سے اعلیٰ ہے، جب کہ انشائیہ اسلوب کے تحت مولانا ابو منصور کا ترجمہ مولانا امین احسن اصلاحی کے ترجمہ سے زیادہ جامع ہے۔

سورۃ التکاثر کی آیت 5 تا 7 کے جملہ تراجم نقل کر کے محقق نحوی طور پر جائزہ لے کر بیان کرتے ہیں، تالیف کلام پر غور و تفحص کرنے سے معلوم یہ ہوتا ہے کہ آیت نمبر 5 میں حرف "لو" کا جواب محذوف ہے، جیسے مولانا احمد رضا خان بریلوی، مولانا سید مودودی، مولانا ثناء اللہ امرتسری اور پیر محمد کرم شاہ ازہری نے اپنے اپنے طریقہ و انداز سے اس محذوف کو اپنے تراجم میں کھولا ہے، جب کہ مولانا امین احسن اصلاحی، مولانا عبد الماجد دریابادی، مولانا محمود الحسن دیوبندی اور مولانا ابو منصور نے "لو" کے محذوف جواب کا ذکر کیے بغیر ترجمہ کیا ہے۔ پھر ان مؤخر الذکر میں سے مولانا عبد الماجد دریابادی اور مولانا محمود الحسن دیوبندی نے "لترون الجحیم" سے اپنے ترجمہ کو پھر سے شروع کیا ہے جو اس بات کی دلیل ہے کہ دونوں حضرات مذکورۃ الصدر چاروں حضرات کی طرح "لترون الجحیم" اور آیات مابعد کو "لو" کے تحت نہیں مانتے جب کہ امین احسن اصلاحی اور ابو منصور نے ان آیات کو "لو" کے تحت مانتے ہوئے ترجمہ کیا ہے بلکہ امین احسن اصلاحی نے تو اپنی تفسیر میں اس طرف واضح اشارہ بھی دیا ہے بایں ہمہ ابو منصور کے ترجمہ سے یہ دعویٰ اخذ ہوتا ہے کہ عین الیقین اس دنیا میں بھی حاصل ہوتا ہے جب کہ امین احسن اصلاحی کے نزدیک عین الیقین کا تعلق عالم آخرت سے ہے یہاں صرف علم الیقین حاصل ہوتا ہے۔ محقق نے مزید شواہد پیش کر کے یہ رائے ظاہر کی ہے کہ اگرچہ ابو منصور کے ترجمہ کی اہمیت اور زور سے چشم

پوشی نہیں کی جا سکتی، لیکن امین احسن اصلاحی کے ترجمہ میں بھرپور معنویت کے باعث اسے راجح قرار دیا جا سکتا ہے۔

سورۃ الفیل کی آیت 4 کے آٹھوں منتخب تراجم نقل کرنے کے بعد محقق نے انتہائی گہری نظر سے ان کا تقابلی جائزہ لیا ہے اور "بحجارۃ من سجیل" کے ترجمہ میں مترجمین نے جو مختلف الفاظ استعمال کیے ہیں ان کو الگ سے نقل کر کے پرکھا ہے پھر از خود لفظ سجیل کے از روئے لغت معانی اور تفصیلی تحقیق سپردِ قلم کر کے اپنی رائے اس طرح پیش کی ہے کہ سوائے مولانا امین احسن اصلاحی کے باقی جملہ مترجمین کے تراجم میں کنکر اور پتھر کے لفظی فرق کے باوجود ایک قدرِ مشترک موجود ہے یعنی سب نے "ترمیھم" کا فاعل پرندوں کو قرار دیا ہے۔ جب کہ اصلاحی صاحب نے "ترمیھم" کا فاعل انسانوں کو قرار دے کر صیغہ مخاطب / حاضر میں ترجمہ کیا ہے اور یہ ترجمہ انھوں نے فراہی کے تتبع میں کیا ہے۔ آخر میں محقق بطور نتیجہ ان حضرات کے ترجمہ کو زیادہ قرینِ صواب قرار دیتے ہیں جنھوں نے پتھر اور کنکر سے ترجمہ کیا ہے۔

سورۃ قریش کی آیت ۱۔۲ کے جملہ تراجم تحریر کر کے محقق نے پہلے تو لغت اور گرامر سے تفصیلی تجزیہ کیا ہے اور پہلا نتیجہ یہ نکالا ہے کہ "لایلاف" میں جو پہلا لام ہے وہ عربی محاورہ کے مطابق تعجب کے لیے ہے، یہی قول امام اخفش، امام کسائی اور امام فراء کا ہے اور ابن جریر نے بھی اسی کو راجح کہا ہے۔ چنانچہ مولانا ثناء اللہ امرتسری نے تینوں ائمہ نحو کی پیروی میں اسی محاورہ کے مطابق ترجمہ کیا ہے جب کہ دیگر ساتوں مترجمین نے اس لام کو لامِ تعلیل سمجھ کر ترجمہ کیا ہے اور دوسرے ایلاف کو پہلے ایلاف سے بطور بدل لیتے ہوئے جار مجرور "فلیعبدوا" کے جملے سے سمجھا ہے۔ اس طرح محقق کی رائے کے مطابق لامِ تعلیل کے تحت جو ترجمے کیے گئے ہیں وہ درست ہیں لیکن ان سات ترجموں میں بھی مسلسل مربوط اور کامل فہم عطا کرنے والا ترجمہ ابو منصور کا ہے۔

سورۃ الماعون کی آیت 5 کے آٹھوں تراجم نقل کرنے کے بعد محقق نے نظرِ عمیق سے تقابلی جائزہ لینے کے بعد یہ ثابت کیا ہے کہ سوائے ابو منصور کے باقی جملہ مترجمین کے تراجم ایک ہی مضمون یعنی نماز کے ظاہر پر مشتمل ہیں جب کہ ابو منصور کا ترجمہ آیت کے مفہوم پر دلالت کرتا ہے یعنی نماز کے مقتضائے حقیقی کو ظاہر کرتا ہے۔ اسی باعث یہ ترجمہ باقی تراجم کے مقابلے میں جاذبِ توجہ ہے اور اگر آیت نمبر 6 کو اس آیت سے ملا کر پڑھا جائے تو پھر یہ آیت، آیت 5 کو اس طرح مؤکد کرتی ہے کہ اس کا مضمون مزید قابلِ توجہ ہو جاتا ہے۔ نیز سیاقِ کلام میں جو محذوف مترشح ہے اسے بھی ابو منصور نے اپنے

ترجمہ میں واکر دیا ہے۔ مزید براں ابو منصور کے ترجمہ کی تائید میں امین احسن اصلاحی کی تفسیر سے بھی ملتی ہے، گویا محقق نے اس مقام پر ابو منصور کے ترجمہ کو راجح قرار دیا ہے۔

سورۃ اللھب کی پہلی آیت کے آٹھوں منتخب تراجم نقل کر کے محقق نے تفصیلی جائزہ لے کر قرار دیا ہے کہ مولانا احمد رضا خان بریلوی، پیر محمد کرم شاہ ازہری، مولانا ثناء اللہ امرتسری اور مولانا ابو منصور کے ترجموں میں کوسنے اور بددعا دینے کا مفہوم ملتا ہے جب کہ مولانا محمود الحسن دیوبندی، مولانا عبد الماجد دریابادی، مولانا سید مودودی اور مولانا اصلاحی کے ترجموں میں کسی امر کے واقع الحصل ہو جانے کا پتہ چلتا ہے، مگر حقیقت یہ ہے کہ سورۃ اللھب بطور پیش گوئی کے نازل ہوئی تھی جیسا کہ سید مودودی، پیر محمد کرم شاہ ازہری، امین احسن اصلاحی اور عبد الماجد دریابادی نے اپنی اپنی تفاسیر میں اس سورۃ کے بطور پیش گوئی نزول کی تائید کی ہے مگر ان کے تراجم ان کی تفاسیر کے برعکس ہیں۔ چنانچہ محقق اپنی تحقیق کے مطابق رائے دیتے ہوئے کہتے ہیں کہ اس آیت میں چونکہ نفس مضمون پیش گوئی پر مشتمل ہے لہٰذا آسان زبان واسلوب میں اس آیت کا ترجمہ یوں کیا جاتا (ابولہب کے ہاتھ ٹوٹیں گے اور وہ خود بھی مرے گا)۔

محقق نے اپنے مقالہ کے اختتامیہ میں طریق استدلال کے علاوہ بھی بہت کچھ لکھا ہے مگر میں اپنی پسند کے صرف دو پیراگراف من وعن نقل کر رہا ہوں جو کہ درج ذیل ہیں:

(۱) علاوہ ازیں اس طرزِ تحقیق سے ثابت ہوتا ہے کہ مسلمانوں میں مکتبی و مسلکی تعصب ٹھیک نہیں کیونکہ حق ان تمام ہی کے درمیان دائر و سائر ہے، چنانچہ مسلمانوں کو چاہیے کہ وہ جس مکتب و مسلک کو بھی اختیار کریں یا جس مترجم کو بھی پسند کریں، اسے فہمِ قرآنی کا فقط ایک ذریعہ قرار دیں، حرفِ آخر یا عین حق وصواب نہ سمجھیں۔

(۲) چنانچہ اس مقالہ میں ہم نے ثابت کیا ہے کہ فہمِ قرآنی کیلئے کسی ایک ترجمہ کو کافی قرار نہیں دیا جا سکتا اور یہ کہ قرآن کا بہتر سے بہتر اور جامع و کامل ترجمہ کرنے کی کوششیں جاری رہنی چاہئیں تاکہ کلامِ الٰہی سے اخذ واستفادہ کرنے والے کم وقت میں زیادہ سے زیادہ ہدایت ومعرفت حاصل کر سکیں۔

بہر حال یہ مقالہ اعلیٰ قسم کے کاغذ پر طبع ہوا ہے اور انتہائی خوبصورت ٹائٹل سے مزین ہے جو کہ ناشر کے حسنِ ذوق کا آئینہ دار ہے۔ قرآن فہمی کا ذوق رکھنے والے قارئین کو اس مقالے کا ضرور مطالعہ کرنا چاہئے۔

سیدنا نوح علیہ السلام کی مختصر سرگزشت

مولانا عبدالکریم اثری
(صاحب تفسیر عروۃ الوثقیٰ)

نوح علیہ السلام، آدم علیہ السلام کے بعد پہلے "نبی" ہیں جن کو "رسالت" سے نوازا گیا۔ چنانچہ صحیح مسلم باب شفاعت جلد اول صفحہ ۱۰۷، ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے ایک روایت میں یہ الفاظ آئے ہیں کہ "یا نوح انت اول الرسل الی الارض" کہ اے نوح علیہ السلام آپ کو زمین پر سب سے پہلا رسول بنا کر بھیجا گیا۔

ماہرین علم الانساب نے نوح علیہ السلام کو "لامک" کا بیٹا لکھا ہے۔ اور آپ ﷺ کا سلسلہ نسب آٹھویں پشت میں شیث بن آدم علیہ السلام سے ملایا ہے اور مدت درمیان خلق آدم علیہ السلام و ولادت نوح علیہ السلام ۱۰۵۶ سال بتائی ہے لیکن اس کی حقیقت تخمینہ وقیاس کے سوا کچھ نہیں ہے۔

قرآن کریم میں سیدنا نوح علیہ السلام کا واقعہ اجمالاً یا تفصیلاً تینتالیس جگہ بیان ہوا ہے۔ جس میں زیادہ تفصیل کے ساتھ سورۂ ہود، سورۂ الشعراء اور سورۂ نوح میں بیان کیا گیا ہے اور مجموعی طور پر جن سورتوں میں ذکر کیا گیا ہے ان کی تفصیل درج ذیل ہے:

(آل عمران ۳:۳۱)، (النساء ۴:۱۶۳)، (الانعام ۶:۸۴)، (الاعراف ۷:۵۹، ۶۹)، (التوبہ ۹:۷۰)، (یونس ۱۰:۷۱)، (ہود ۱۱:۲۵، ۸۹)، (ابراہیم ۱۴:۹)، (الاسراء ۱۷:۳، ۱۷)، (مریم ۱۹:۵۸)، (الانبیاء ۲۱:۷۶)، (الحج ۲۲:۴۲)، (المومنون ۲۳:۲۳)، (الفرقان ۲۵:۳۷)، (الشعراء ۲۶:۱۰۵، ۱۱۶)، (العنکبوت ۲۹:۱۴)، (الاحزاب ۳۳:۷)، (الصافات ۳۷:۷۵، ۷۹)، (ص ۳۸:۱۲)، (المومن ۴۰:۵، ۳۱)، (الشوریٰ ۴۲:۱۳)، (الذاریات ۵۱:۴۶)، (النجم ۵۳:۵۲)، (القمر ۵۴:۹)، (الحدید ۵۷:۲۶)، (التحریم ۶۶:۱۰)، (نوح ۷۱:۱تا۲۶)

سیدنا نوح علیہ السلام کی بعثت سے قبل تمام قوم اللہ تعالیٰ کی توحید اور صحیح اسلامی روشنی سے یکسر نا آشنا ہو چکی تھی اور حقیقی الٰہ کی جگہ خود ساختہ بتوں نے لے لی تھی۔ چنانچہ غیر اللہ کی پرستش اور اصنام پرستی ان کا شعار تھا۔ ان لوگوں کی رشد و ہدایت کے لئے اللہ تعالیٰ نے ان ہی میں سے ایک ہادی و رہنما مبعوث فرما دیا جس کا نام نوح علیہ السلام تھا۔

نوح علیہ السلام نے اپنی قوم کو راہ حق کی طرف پکارا اور اسلام کی دعوت دی لیکن قوم نے نہ مانا اور آپ ﷺ سے نفرت کی اور حقارت کی نظر سے دیکھا خصوصاً روساء اور امراء قوم نے ان کی تکذیب کی اور تعجب کیا کہ جس شخص کو نہ ہم پر دولت و ثروت میں برتری ہے اور نہ ہی انسانیت کے رتبہ سے برتر کوئی فرشتہ وغیرہ ہے اس کو کیا حق ہے کہ وہ ہمارا پیشوا بنے اور ہم اس کے احکام کی تعمیل کریں اور اپنے معبودوں کو چھوڑ دیں جن کو ہمارے آباؤ اجداد مانتے چلے آ رہے ہیں۔ کیا وہ سارے کے سارے غلط تھے اور ایک یہی سچا انسان ہے؟"

خصوصاً جب انہوں نے دیکھا کہ قوم کے غریب اور کمزور افراد نے نوح علیہ السلام کی دعوت کو قبول کیا ہے تو متغیرانہ انداز میں بڑی حقارت سے کہنے لگے کہ "ہم ان کی طرح نہیں ہیں کہ تیرے تابع فرمان بن جائیں اور تجھ کو اپنا مقتدا مان لیں۔" وہ سمجھتے تھے کہ یہ کمزور اور پست لوگ نوح علیہ السلام کے اندھے مقلد ہیں نہ یہ ذی رائے ہیں اور نہ ہی ذی شعور کہ حقیقت حال کو سمجھ لیتے اور اگر وہ نوح علیہ السلام کی بات کی طرف توجہ بھی دیتے تو ان سے اصرار کرتے کہ پہلے ان پست اور غیر افراد قوم کو اپنے پاس سے نکال دے تب ہم تیری بات سنیں گے کیونکہ ہم کو ان سے گھن آتی ہے اور ہم اور یہ لوگ ایک جگہ نہیں بیٹھ سکتے۔

نوح علیہ السلام ان کو ایک ہی جواب دیتے کہ ایسا کبھی نہیں ہو سکتا کیونکہ یہ اللہ کے مخلص بندے ہیں اگر میں ان کے ساتھ ایسا معاملہ کروں جس کے تم خواہش مند ہو تو اللہ تعالیٰ کے عذاب سے میرے لئے کوئی جائے پناہ نہیں ہے۔ میں اس کے دردناک عذاب سے ڈرتا ہوں۔ اس کے پاس اخلاص کی قدر ہے امیر و غریب کا وہاں کوئی سوال نہیں ہے اور فرمایا کہ میں تمہارے پاس اللہ کی ہدایت کا پیغام لے کر آیا ہوں نہ میں نے غیب دانی کا دعویٰ کیا ہے اور نہ فرشتہ ہونے کا۔ میں اللہ کا رسول ہوں اور دعوت و ارشاد میرا مقصد و منصب ہے۔ مجھے سرمایہ دولت، بلندی، غیب دانی یا فرشتہ ہونے سے کیا واسطہ؟ اور یہ کمزور و نادار اور افراد قوم جو اللہ پر سچے دل سے ایمان لائے تمہاری نگاہ میں اس لئے حقیر و ذلیل ہیں کہ وہ تمہاری طرح صاحب دولت و مال نہیں ہیں اور اس لئے تمہارے خیال میں یہ "خیر" حاصل کر سکتے

ہیں اور نہ سعادت کیونکہ یہ دونوں چیزیں دولت وحشمت کے ساتھ ہیں نہ کہ محبت واخلاص کے ساتھ۔

نوح علیہ السلام نے فرمایا کہ یاد رکھو کہ اللہ کی سعادت و "خیر" کا قانون ظاہری دولت و حشمت کے تابع نہیں ہے نہ اس کے یہاں سعادت وہدایت کا حصول وادراک سرمایہ کی رونق کے زیر اثر ہے بلکہ اس کے برعکس طمانیت نفسی، رضاء الٰہی، صفاء قلب اور اخلاص نیت وعمل پر موقوف ہے یہی نہیں بلکہ اس سے آگے بڑھ کر نوح علیہ السلام نے اللہ کے حکم سے اس بات کا اعلان بھی کیا کہ لوگو! مجھ کو اپنی اس ابلاغ دعوت وارسال ہدایت میں نہ تمہارے مال کی خواہش ہے نہ جاہ ومنصب کی، نہ میں اجرت کا طلب گار ہوں، اس خدمت کا حقیقی اجر وثواب اللہ ہی کے ہاتھ میں ہے اور وہی بہترین قدر دان ہے، جیسا کہ آپ پیچھے اس سورۂ ہود میں پڑھ چکے ہیں کہ قوم کے ان سرداروں نے جنہوں نے کفر کی راہ اختیار کی تھی کہا:

"ہم تو تم میں اس کے سوا کوئی بات نہیں دیکھتے کہ ہماری ہی طرح کے ایک آدمی ہو اور جو لوگ تمہارے پیچھے چلے ہیں ان میں بھی ان لوگوں کے سوا کوئی دکھائی نہیں دیتا جو ہم میں کمینے ہیں اور بے سوچے سمجھے تمہارے پیچھے ہو لئے ہیں۔ ہم تو تم لوگوں میں اپنے سے کوئی برتری نہیں پاتے بلکہ سمجھتے ہیں کہ تم جھوٹے ہو۔"

نوح علیہ السلام نے کہا "اے میری قوم کے لوگو! تم نے بھی اس بات پر بھی غور کیا کہ اگر میں اپنے پروردگار کی طرف سے ایک دلیل روشن پر ہوں اور اس نے اپنے حضور سے ایک رحمت مجھے بخش دی ہے (یعنی راہ حق دکھادی ہے) مگر وہ تمہیں دکھائی نہ دے تو (میں اس کے سوا کیا کر سکتا ہوں جو کر رہا ہوں؟) کیا ہم جبراً تمہیں دکھادیں حالانکہ تم اس سے بیزار ہو؟" "لوگو! جو کچھ میں کہہ رہا ہوں تو اس پر مال و دولت کا تم سے طالب نہیں میری خدمت کی مزدوری جو کچھ ہے صرف اللہ پر ہے اور یہ بھی سمجھ لو کہ جو لوگ ایمان لائے ہیں (وہ تمہاری نگاہوں میں کتنے ذلیل ہوں گے لیکن) میں ایسا کرنے والا نہیں کہ اپنے پاس سے انہیں ہنکادوں انہیں بھی اپنے پروردگار سے (ایک دن) ملنا ہے (اور وہ ہم سب کے اعمال کا حساب لینے والا ہے) لیکن (میں تمہیں سمجھاؤں تو کس طرح سمجھاؤں؟) میں دیکھتا ہوں کہ تم ایک جماعت ہو (حقیقت سے) جاہل۔

اور اے میری قوم کے لوگو! مجھے بتلاؤ اگر میں ان لوگوں کو اپنے پاس سے نکال باہر کروں (اور اللہ کی طرف سے مواخذہ ہو جس کے نزدیک ایمان وعمل ہے نہ کہ تمہاری گھڑی ہوئی شرافت ورذالت) تو اللہ کے مقابلہ میں کون ہے جو میری مدد کرے گا؟ (افسوس تم پر!) کیا تم غور نہیں کرتے؟ اور دیکھو میں تم

سے یہ نہیں کہتا کہ میرے پاس اللہ کے خزانے ہیں، نہ یہ کہتا ہوں کہ میں غیب کی باتیں جانتا ہوں، نہ میرا یہ دعویٰ ہے کہ میں فرشتہ ہوں۔ میں یہ بھی نہیں کہتا کہ جن لوگوں کو تم حقارت کی نظر سے دیکھتے ہو اللہ انہیں کوئی بھلائی نہیں دے گا (جیسا کہ تمہارا خیال ہے) اللہ ہی جانتا ہے جو کچھ ان لوگوں کے دلوں میں ہے اگر میں (تمہاری خواہش کے مطابق ایسا کہوں تو جو بھی ایسی بات کہی میں ظالموں میں سے ہو گیا۔"

(سورۂ ہود ۱۱: ۲۷ تا ۳۱)

مختصر یہ کہ نوح علیہ السلام نے انتہائی کوشش کی کہ بدبخت قوم سمجھ جائے اور رحمت الٰہی کی آغوش میں آجائے مگر قوم نے نہ مانا اور جس قدر اس جانب سے تبلیغ حق میں جدوجہد ہوئی اسی قدر قوم کی جانب سے بغض وعناد میں سرگرمی کا اظہار ہوا اور ایذا رسانی اور تکلیف دہی کے تمام وسائل کا استعمال کیا گیا اور ان کے بڑوں نے عوام سے صاف صاف کہہ دیا کہ تم کسی طرح اپنے معبودوں یعنی ود، سواع، یغوث، یعوق اور نسر کی پرستش کو نہ چھوڑو جو کہ ہماری قوم کے بزرگ تھے اور ان کے مجسمے (بت) ان کی یاد کو تازہ رکھنے کے لئے آج بھی ہمارے پاس موجود ہیں۔

اس بحث کو سورۂ نوح میں تفصیل کے ساتھ بیان کیا گیا ہے۔ اس سے بلاشبہ ہدایت وضلالت کے اہم مسائل کو آشکارا کر دیا گیا ہے، چنانچہ ارشاد الٰہی کا ترجمہ اس طرح ہے کہ:

"ہم نے نوح علیہ السلام کو اس کی قوم کی طرف بھیجا (اس ہدایت کے ساتھ) کہ اپنی قوم کے لوگوں کو خبردار کر دے، اس سے پہلے کہ ان کے پاس ایک دردناک عذاب آئے۔ اس نے کہا اے میری قوم کے لوگو! میں تمہارے لئے ایک صاف صاف خبردار کر دینے والا (پیغمبر) ہوں (تم کو آگاہ کرتا ہوں) کہ اللہ کی بندگی کرو اور اس سے ڈرو اور میری اطاعت کرو، اللہ تمہارے گناہوں سے درگزر فرمائے گا اور تمہیں ایک مقرر وقت تک باقی رکھے گا۔ حقیقت یہ ہے کہ اللہ کا مقرر کیا ہوا وقت جب آجاتا ہے تو پھر ٹالا نہیں جاتا، کاش تمہیں اس کا علم ہو۔" (نوح ۷۱: ۱ تا ۴)

اس طرح نوح علیہ السلام نے اپنی قوم کو آگاہ کر دیا کہ جن گمراہیوں اور اعتقادی واخلاقی خرابیوں میں وہ مبتلا ہیں وہ ان کو اللہ کے عذاب کا مستحق بنا دیں گی اور اگر وہ ان سے باز نہ آئے تو اس کا نتیجہ یقیناً ان کی تباہی وبربادی ہوگا۔ اس میں گویا تین باتیں تھیں جو سیدنا نوح علیہ السلام نے اپنی رسالت کا آغاز کرتے ہوئے اپنی قوم کے سامنے بحکم الٰہی پیش کیں۔ ایک اللہ کی بندگی کرو، دوسرے تقویٰ اختیار کرو اور تیسرے رسول کی اطاعت بجالاؤ۔

اللہ کی بندگی کا مطلب یہ تھا کہ دوسروں کی بندگی اور عبادت چھوڑ کر صرف اور صرف اللہ ہی

کو اپنا معبود تسلیم کر کے اس کی پرستش کرو اور اس کے احکام بجالاؤ۔ تقویٰ کا مطلب یہ تھا کہ ان کاموں سے پرہیز کرو جو اللہ کی ناراضگی اور اس کے غضب کا موجب ہیں اور اپنی زندگی میں وہ روش اختیار کرو جو اللہ کا ڈر رکھنے والے لوگوں کو اختیار کرنی چاہیے۔ رہی تیسری بات کہ "میری اطاعت کرو"۔ تو اس کا مطلب یہ تھا کہ ان احکام کی اطاعت کرو جو اللہ کا رسول ہونے کی حیثیت سے تمہیں دیتا ہوں۔ انجام کار جب قوم کی اکثریت نے آپ کی ایک نہ سنی یعنی ہر سنی کو ان سنی کر دیا تو نوح علیہ السلام نے بارگاہ ایزدی میں عرض کیا:

"اے میرے رب! میں نے اپنی قوم کے لوگوں کو شب و روز پکارا مگر میری پکار نے ان کے فراری میں اضافہ کیا اور جب بھی میں نے ان کو بلایا تا کہ تو انہیں معاف کر دے تو انہوں نے کانوں میں انگلیاں ٹھونس لیں اور اپنے کپڑوں سے منہ ڈھانک لئے اور اپنی روش پر اڑ گئے اور بڑا ہی تکبر کیا۔ پھر میں نے ان کو ہانک پکار کر دعوت دی اور میں نے ان کو اعلانیہ بھی تبلیغ کی اور چپکے چپکے بھی سمجھایا۔ میں نے کہا اپنے رب سے معافی مانگو، بلاشبہ وہ بڑا معاف کرنے والا ہے۔ وہ تم پر آسمان سے خوب بارشیں برسائے گا۔ تمہیں مال اور اولاد سے نوازے گا، تمہارے لئے باغات پیدا کرے گا اور تمہارے لئے نہریں جاری کر دے گا۔ تمہیں کیا ہو گیا ہے کہ اللہ کے لیے تم کسی وقار کی توقع نہیں رکھتے حالانکہ اس نے طرح طرح سے تم کو بنایا ہے، کیا تم دیکھتے نہیں ہو کہ اللہ نے کس طرح سات آسمان تہ بہ تہ بنائے اور ان میں چاند کو نور اور سورج کو چراغ بنایا؟ اور اللہ نے تم کو زمین سے عجیب طرح اگایا پھر وہ تمہیں اس زمین میں واپس لے جائے گا اور اس سے یکا یک تم کو نکال کھڑا کرے گا اور اللہ نے زمین کو فرش کی طرح تمہارے لئے بچھا دیا تا کہ تم اس کے اندر کھلے راستوں میں چلو۔ نوح علیہ السلام نے کہا اے میرے رب! انہوں نے میری بات رد کر دی اور ان (رئیسوں) کی پیروی کی جو مال اور اولاد پا کر اور زیادہ نامراد ہو گئے ہیں۔ ان لوگوں نے بڑا بھاری مکر کا جال پھیلا رکھا ہے، انہوں نے کہا کہ ہرگز نہ چھوڑو "ود" "سواع" اور "یغوث" "یعوق" اور "نسر" کو انہوں نے بہت سے لوگوں کو گمراہ کیا ہے اور تو بھی ان ظالموں کو گمراہی کے سوا کسی چیز میں ترقی نہ دے۔ اپنی خطاؤں کی بنا پر ہی وہ غرق کئے گئے اور آگ میں جھونک دیئے گئے۔ پھر انہوں نے اپنے لئے اللہ سے بچانے والا کوئی مددگار نہ پایا اور نوح علیہ السلام نے کہا "اے میرے رب! ان کافروں میں سے کوئی زمین پر بسنے والا نہ چھوڑ اگر تو نے ان کو چھوڑ دیا تو یہ تیرے بندوں کو گمراہ کریں گے اور ان کی نسل سے جو بھی پیدا ہو گا بدکار اور سخت کافر ہی ہو گا۔" (نوح ۷۱: ۵ تا ۲۷)

اس جگہ قرآن کریم میں نوح علیہ السلام کی قوم کے جس مکر کا ذکر کیا گیا ہے اس سے مراد کیا ہے؟ ظاہر ہے کہ اس سے مراد قوم کے ان سرداروں اور پیشواؤں کے وہ فریب ہیں جن سے وہ اپنی قوم کے عوام کو حضرت نوح علیہ السلام کی تعلیمات کے خلاف بہکانے کی کوشش کرتے تھے۔ مثلاً وہ کہتے تھے کہ نوح علیہ السلام تمہی جیسا ایک آدمی ہے، کیسے مان لیں کہ اس پر اللہ کی طرف سے وحی آتی ہے؟ (الاعراف ۷: ۶۳، ہود ۱۱: ۲۷) نوح کی پیروی تو ہمارے اراذل نے بے سوچے سمجھے قبول کر لی ہے، اگر اس کی بات میں کوئی وزن ہوتا تو قوم کے اکابر اس پر ایمان لاتے۔ (ہود ۱۱: ۲۷) اللہ کو اگر کوئی رسول بھیجنا ہوتا تو کوئی فرشتہ بھیجتا (المومنون ۲۳: ۲۴) اگر یہ شخص اللہ کا بھیجا ہوا ہوتا تو اس کے پاس خزانے ہوتے، اس کو علم غیب ہوتا اور یہ فرشتوں کی طرح تمام انسانی حاجات سے بے نیاز ہوتا۔ (ہود ۱۱: ۳۱) نوح اور اس کے پیروؤں میں آخر کونسی کرامت نظر آتی ہے جس کی بنا پر اس کی فضیلت مان لی جائے۔ (ہود ۱۱: ۲۷) یہ شخص دراصل تم پر اپنی سرداری جمانا چاہتا ہے۔ (المومنون ۲۳: ۲۴) اور اس شخص پر کسی جن کا سایہ ہے جس نے اسے دیوانہ بنا دیا ہے۔ (المومنون ۲۳: ۲۵) آپ غور کریں گے تو قریب قریب یہ ساری باتیں وہی ہیں جن سے قریش کے سردار ہمارے نبی اعظم و آخر صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کے خلاف لوگوں کو بہکایا کرتے تھے اور آج بھی یہ ساری باتیں روسا قوم خواہ وہ مذہبی پیشوا ہوں یا سیاسی لیڈر سب پر من وعن صادق آتی ہیں لیکن ان وقت کے مذہبی اور سیاسی رہنماؤں کا نام لینا اس وقت سے بھی زیادہ مشکل ہے کیونکہ وہ مذہبی اور سیاسی راہنما اعتقادی اور عملی دونوں حالات میں مختلف تھے اور اس وقت یہ سارے کے سارے اعتقادی لحاظ سے مسلمان کہلاتے ہیں اور عملی طور پر ان لوگوں سے بھی گئے گزرے ہیں اس لئے ان کا نام لینا لوہے کے چنے چبانے کے مترادف ہے۔

اس جگہ نوح علیہ السلام کے وقت کے جن پانچ معبودان باطلہ کا ذکر قرآن کریم نے کیا ہے وہ بالکل وہی ہے جنہیں بعد میں اہل عرب نے بھی پوجنا اور پکارنا شروع کر دیا تھا اور آغاز اسلام کے وقت عرب میں بھی جگہ جگہ ان کے مندر اور معبد خانے بنے ہوئے تھے۔ بعید نہیں کہ طوفان میں جو لوگ بچ گئے تھے ان کی زبان سے بعد کی نسلوں نے قوم نوح علیہ السلام کے قدیم معبودوں کا ذکر سنا تھا اور جب از سر نو ان کی اولاد میں جاہلیت پھیلی تو انہی معبودوں کے بت بنا کر انہوں نے پھر پوجنا شروع کر دیا تھا۔

چنانچہ اس وقت "ود" قبیلہ قضاعہ کی شاخ بنی کلب بن وبرہ کا معبود تھا جس کا استھان انہوں نے دومۃ الجندل میں بنا رکھا تھا۔ عرب کے قدیم کتبات میں "ود ابم" لکھا ہوا ملتا ہے۔ کلبی کا بیان ہے کہ اس کا بت ایک نہایت عظیم الجثہ مرد کی شکل کا بنا ہوا تھا۔ قریش کے لوگ بھی اس کو معبود مانتے تھے اور